بچوں کا اسلامی و اخلاقی ادبی رسالہ
ماہنامہ
مسلمان بچے
182
لاہور
ربیع الثانی ۱۴۴۴ھ/نومبر 2022
ایک نمونہ.... ایک دعا....
راہِ وفا کا مسافر
عزم و ہمت کی دلنواز داستان
اس کے علاوہ ڈھیروں مزیدار کہانیاں
قبلہ عالی جاہ
ایک خچر کی حیرت انگیز کہانی
جنگل میں جلسہ
جنگل کہانی
کثیر الوجی فارمولا
مومی بہادر کا کارنامہ

سب سے منفرد اور کثیر الاشاعت

ماہنامہ

مسلمان بچے

لاہور

بچے تو سبھی ہیں بہت اچھے
مگر سب سے اچھے مسلمان بچے

شمارہ 4

ربیع الثانی ۱۴۴۴ھ بمطابق نومبر 2022ء

جلد 16

بچوں کے
اسلامی.....
اخلاقی.....
تعلیمی.....اور
تربیتی ادب کا
ترجمان

قیمت فی شمارہ
60 روپے
سالانہ زرتعاون
720/= روپے

اپنی کہانیاں اور مضامین صرف اس پتے پر ارسال فرمائیں

پوسٹ بکس نمبر: 15 جی پی او بہاول پور

ترسیل زر اور حصول رسالہ کے لیے

مکتبہ ابن مبارک 37-حق سٹریٹ اردو بازار لاہور

موبائل: 0322-5140485

پبلشر محمد زاہد نے علی پریس لاہور سے چھپوا کر تقسیم کیا

اس شمارے میں

راہِ وفا کا مسافر	تسلیمہ موسیٰ	10
موی بہادر کے کارنامے	محمد فیصل علی	15
مسافر کا خط	عبداللہ جان مہمند	20
قبلہ عالی جاہ	عطاالسلام سحر	25
سوکھی کہانی	محمد مستقیم	34
ہاتھی کی آپ بیتی	عمار حسین	47
بلاعنوان	سیدہ ناجیہ شعیب	51
جنگل میں جلسہ	ایم تجمل بیگ	53
حضرت سمیہ بنت خباط رضی اللہ عنہا	محمد بن طلحہ السیف	56
مصلحت خدا	ماریہ کلثوم	60
ٹیپو سلطان شہیدؒ	عبدالحفیظ امیر پوری	67
کوئی چراغ تھا	حنظلہ احمد	71
گھونسلہ	ایمن صغیر	76
وہ کون تھے	محمد مجاہد ارہابی	85

اس کے علاوہ مستقل سلسلوں کے ساتھ ساتھ اور بہت کچھ۔۔۔۔۔

فرمان باری تعالیٰ

اور اگر تمہیں کچھ شک ہو اس میں جو ہم نے اپنے خاص بندے پر اُتارا تو اس جیسی ایک سورت تو لے آؤ اور اللہ کے سوا اپنے سب حمایتیوں کو بلالو اگر تم سچے ہو۔ (البقرہ)

فرمان رسول اکرم ﷺ

حضرت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:
بروز قیامت مسلمان فقراء مالداروں سے نصف دن پہلے جنت میں داخل ہوں اور وہ نصف دن پانچ سو سال کے برابر ہوگا۔ (جامع الترمذی)

حمد باری تعالیٰ

محمد عثمان ارشاد

ہے چاہت تجھے دل میں اپنے بسا لوں
ہر اک غیر سے اپنی نظریں ہٹا لوں

رہوں کب تلک میں خزاں میں خدایا
وفا سے میں اپنے ہی دل کو سجا لوں

حسیں یہ نظارے مجھے جب بلائیں
تیرے حکم کے سامنے سر جھکا لوں

گناہوں کی دلدل میں سب کچھ لٹا کر
ہوں آیا تیرے در پہ آنسو بہا لوں

ستایا ہوا ہوں زمانے کا بے حد
بہا کر یہ آنسو تجھے میں منا لوں

عطاء کر محبت تو اپنی مجھے بھی
کہ تاریک شب میں چمک خوب پا لوں

ملے آستاں تیرا عثمان کو بھی
کہ اغیار سے اپنا دامن بچا لوں

نعت رسول مقبول ﷺ

ذکی طارق

حسرت ہے کہ اس دنیا سے جب جانا مرا ہو
سینے پہ تسلی کو ترا ہاتھ دھرا ہو

اے ربِ جہاں بر سرِ لب صل علیٰ ہو
بس آپ فقط مجھ سے نہ ناراض ہوں آقا

آ ہی نہیں سکتا اسے مایوسی کا رونا
کچھ غم نہیں جو سارا زمانہ یہ خفا ہو

وہ جس کو میسر درِ محبوبِ خدا ہو
اے مولا مرے بخت کو دے دے یہ سعادت

جب بھی پڑے غم تو مجھے محسوس ہو ایسا
ہر اک قضا زیست کی طیبہ میں ادا ہو

ایک دعاء یاد کیجئے

عَن عَلِیِّ بنِ أَبِی طَالِبٍ رضي اللہ عنہ قَالَ:
قَالَ لِی رَسُولُ اللہ ﷺ قُل: اَللّٰھُمَّ اھْدِنِی
وَسَدِّدْنِی

ترجمہ: حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ یہ دعاء کرو: اے اللہ! مجھے ہدایت اور راست روی عطا فرما۔

ایک حدیث یاد کیجئے

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللہُ عَنْھَا، قَالَتْ: کَانَ
النَّبِيُّ ﷺ یُعْجِبُہُ الحَلْوَاءُ وَالعَسَلُ

ترجمہ: اُمّ المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ کو شیرینی (میٹھی چیزیں) اور شہد پسند تھا۔

نورِ ہدایت

ہمشیر وبابر آفریدی شہیدؒ

قرآں کا نور اور ہدایت ہے میرے ساتھ
اللہ اور رسول کی سنت ہے میرے ساتھ

طاقت وروں کے پاس ہے طاقت تو کیا ہوا
تیغ جہاد اور شجاعت ہے میرے ساتھ

مجھ کو شکست دے یہ کسی میں بھی دم نہیں
ایمان اور یقین کی دولت ہے میرے ساتھ

تنہا نہیں ہوں کفر کے لشکر کے سامنے
شہداء کے گرم خون کی عظمت ہے میرے ساتھ

انصاف و عدل کے لئے لڑنے چلا ہوں میں
بابرؒ کا جوش و جذبہ و جرات ہے میرے ساتھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلسَّلامُ عَلَیکُم

ایک ضروری بات یاد رکھئے!

مزاح کرنا جائز ہے مذاق اڑانا ناجائز ہے۔

مزاح دل لگی کی بات کو کہتے ہیں۔ بے تکلفی میں کسی سے ایسی بات کرنا جس سے اسے بھی میٹھی سی گدگدی ہو اور مجلس میں بھی خوشی اور مسرت کی لہر دوڑ جائے۔ سننے والا نہ تو اس میں اپنی توہین محسوس کرے اور نہ ہی اسے کوئی منفی احساس بیدار ہو۔

اس میں فحش گوئی اور گالی نہ ہو۔ کسی کی نقالی نہ کی گئی ہو اور نہ ہی کسی قوم یا زبان سے استہزاء کیا گیا ہو ایسا مزاح نبی کریم ﷺ کی سنت ہے۔ آپ ﷺ حضرات صحابہ کرام سے اس طرح کا مزاح فرمایا کرتے تھے۔

ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تقاضا کیا کہ انہیں سواری کے لئے اونٹ دیا جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں تمہیں اونٹنی کا بچہ دے سکتا ہوں۔ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ مجھے تو سواری کے لئے توانا اونٹ درکار ہے میں اونٹنی کے بچے کا کیا کروں گا؟

آپ ﷺ نے فرمایا: بندہ خدا ہر اونٹ کسی اونٹنی کا بچہ ہی ہوتا ہے۔

اسی طرح ایک بڑھیا آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور جنت میں داخلے کی دعاء کے لئے درخواست پیش کی۔

آپ ﷺ نے فرمایا: کوئی بڑھیا جنت میں نہ جائے گی۔

وہ یہ جواب سن کر پریشان ہونے لگیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہر مومن بڑھیا جنت میں جوان ہو کر داخل ہوگی۔

حضرت زاہر رضی اللہ عنہ جو ایک سادہ دیہاتی صحابی تھے اور مدینہ منورہ کچھ سامان بیچنے اور خریدنے آیا کرتے تھے ان کا ساتھ تو نبی کریم ﷺ بہت دل لگی فرمایا کرتے تھے حتی کہ ان کے

پیچھے سے جا کر ان کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ دیتے۔

لیکن مزاح میں اس بات کا پورا خیال رہتا کہ کوئی بات شریعت کے خلاف نہ ہو۔

ایک صحابی نے نبی کریم ﷺ سے حیرانی کے ساتھ سوال کیا کہ آپ اتنے بلند مقام اور مرتبے کے باوجود ہم سے مزاح فرماتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں! مگر میں مزاح میں بھی صرف حق بات کہتا ہوں۔

یعنی دل لگی اور مزاح کرنا بلند مقام اور مرتبے کے منافی نہیں انسانی فطرت کا حصہ ہے اور معاشرت کے آداب وضروریات میں سے ہے۔ مزاج میں حس مزاح کا نہ ہونا خوبی نہیں عیب ہے۔ ہر مکمل انسان اچھے مزاح کا لطف لیتا ہے اور اس کی سمجھ رکھتا ہے لیکن اس کا حد شرع کے اندر ہونا ضروری ہے۔ یہ مزاح جب عیب گوئی بن جائے، اس میں فحش کلامی آجائے۔ جسمانی عیوب، زبان اور قوم کے تمسخر پر مشتمل ہو جائے، کسی کو احساس کمتری میں مبتلا کر دے یا دل آزاری کا سبب بن جائے تو حرام ہو جاتا ہے۔ خصوصاً نقل اتارنا اس کی بدترین ناجائز قسم ہے۔ آجکل اس حرام کو ایک آرٹ اور فن بنا دیا گیا ہے۔ اور ذرائع ابلاغ اس کی مستقل ترویج میں لگے ہوئے ہیں، اس رجحان کی اصلاح بہت ضروری ہے۔ خود بھی بچیں اور جہاں تک ہو سکے یہ پیغام بھی عام کریں۔

اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہو۔

والسلام

آپ کا بھائی جان

ابو ابراہیم

راہِ وفا کا مسافر

تسلیمہ موسیٰ

رات کا پہر تھا ہر طرف خاموشی کا سماں تھا گرمیوں کا موسم تھا تو وہ باہر صحن میں چار پائی لگا کر سویا ہوا تھا۔

وہ گہری نیند میں تھا کہ اچانک کسی نے اسے بے دردی سے جھنجھوڑ ڈالا۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا اس نے سامنے دیکھا ایک آدمی کھڑا تھا۔ آدمی کیا تھا ہڈیوں کا ڈھانچہ، گوشت کا ایک ٹکڑا تھا۔ وہ خوفزدہ ہوگیا وہ آنکھیں مل مل کر دیکھنے لگا۔ مبادا یہ کہیں خواب نا ہو۔ مگر وہ حقیقت میں اس کے سامنے کھڑا تھا اور اسے گھور رہا تھا۔

دور سے کتوں کے بھونکنے اور گیدڑوں کے چلانے کی آوازیں ماحول کو اور زیادہ خوفزدہ بنا رہی تھیں۔ اس نے صحن میں دادا ابو کو تلاش کرنا چاہا مگر وہ تو وہ خود ان کی چار پائی بھی غائب تھی وہ مزید خوف زدہ ہوگیا۔ ناں جانے یہ کونسی بلا تھی جسکے جسم پر سوائے ہڈیوں کے اور کچھ ناں تھا۔ وہ ڈرتے ہوئے بولا۔

''کک، کون ہو تم؟ معاف کیجئے گا میں نے آپ کو پہچانا نہیں'' وہ اس کی بات سن کر زخمی سا مسکرایا۔

'' حیرت ہے تم مجھے نہیں جانتے؟ آؤ! میں تمہیں اپنا تعارف کراتا ہوں۔''

وہ چل دیا۔ وہ بھی بے ختیاری طور پر اس کے پیچھے چلنے لگا شاید کہ اسے بھی اس کے بارے میں جاننے میں دلچسپی تھی۔ وہ اسے ایک قبرستان میں لے آیا۔ وہاں بہت ساری قبریں تھیں۔ وہ حیرت سے

اس ڈھانچے کو دیکھنے لگا، وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر ایک کھلی ہوئی قبر کے پاس لے آیا۔

''جانتے ہو یہ کسی کی قبر ہے؟''

اس نے سر ناں میں ہلایا۔ تو اس نے کہا۔

''یہ میری قبر ہے، اور تم مجھے تو جانتے ہو گے ناں کہ میں کون ہوں؟'' اس کا سر نفی میں ہل گیا۔

''تو سنو! میں تمہارا ضمیر ہوں جسے تم نے کئی سال پہلے تھپک تھپک کر اس قبر میں سلا دیا تھا۔ یہ تمام قبریں ان مسلمانوں کے ضمیروں کی ہیں جو اب بے ضمیر ہو چکے ہیں جیسا کہ تم بھی اب بے ضمیر ہو چکے ہو۔ مسلمانوں کی آہ و بکا کا اب تم پر کوئی اثر نہیں ہوتا تم ظلم دیکھتے ہو مگر پھر آنکھیں بند کر لیتے ہو یہ سوچ کہ ہم صرف افسوس اور مذمت کے اور کر ہی کیا سکتے ہیں لڑنا ہمارے بس کی بات نہیں، ایک میں تھا کبھی کبھار جوش میں آ کر تمہیں جھنجھوڑ تا تھا تمہیں غصہ آتا تھا۔

تمہیں مسلمانوں کی تکلیف دیکھ کر پریشانی ہوتی تھی تم کچھ کر گزرنے کی ٹھان لیتے تھے۔ مگر پھر تم نے بھی آہستہ آہستہ دوسرے مسلمانوں کی دیکھا دیکھی ہمت ہار دی، تم نے بندوق اٹھانی چھوڑ دی تم نے مظلوم مسلمانوں کی تکلیف دیکھ کر جلنا کڑھنا چھوڑ دیا تم بے حس ہونے لگے ظلم دیکھ کر بھی آنکھیں بند کر لیتے اور یہ سوچ کر مطمئن ہو جاتے کہ میں اکیلا کیا کر لونگا میں کبھی جوش میں آ کر تمہیں خواب غفلت سے جگانے کی کوشش کرتا تو تم مجھے بے دردی سے جھڑک کر خاموش کرا دیتے کیونکہ تم بے حس اور خود غرض ہو چکے تھے تمہارے دوست نے بھی تمہیں بہت سمجھایا مگر تم ناں سمجھے۔ عرصہ ہو چکا ہے تمہیں بے حس ہوئے اب تم صرف اپنی فکر کرنے لگے ہو۔ تمہیں آس پاس کے مظلوم مسلمانوں کی کوئی فکر نہیں بالآخر تم بے ضمیر ہو گئے'' وہ آدمی پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔ پھر وہ اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے بولا۔

''جانتے ہو دنیا کے مظلوم مسلمانوں نے سوچا تھا کہ تم لوگ اپنا ملک فتح کر کے لوٹے تو پھر تم سب مسلمان متحد ہو کر ان کی طرف بھی دھیان دو گے انہیں بھی کافروں کے ظلم و ستم اور ان کی قید سے رہائی دلاؤ گے وہ لوگ اس آس پر تھے مگر کیا ہوا کہ تم ابھی تک اپنا آبائی علاقہ بھی فتح ناں کر پائے اور مسلمان مسلمان کا دشمن بن گیا۔ ہر ایک کو اپنی فکر لگی ہوئی ہے کوئی جہاد کی طرف دھیان ہی نہیں دیتا۔ کوئی ان مظلوم مسلمانوں پر ڈھائے جانے والے ظلم و ستم کو نہیں دیکھتا۔

آج پوری دنیا کے مظلوم مسلمانوں نے تمہاری طرف دیکھنا بھی چھوڑ دیا ہے تم کو بلانا بھی چھوڑ دیا ہے پتہ ہے کیوں؟ کیونکہ اب انہیں بھی یقین آ گیا ہے کہ اب اس امت میں کوئی محمد بن قاسم نہیں ہے جو ایک بہن کی پکار پر دیبل پر حملہ آور ہوا تھا، کوئی ایوبی نہیں جس نے بیت المقدس فتح کیا تھا کوئی معتصم باللہ نہیں جو ایک مسلمان

لونڈی کی پکار پر بارہ ہزار ابلق گھوڑوں کیساتھ عمور یہ پر حملہ آور ہوا تھا کوئی طارق بن زیاد نہیں جو اپنی تمام کشتیاں جلا کر صرف سات ہزار کا لشکر لیکر بحری جہازوں میں اندلس کے ساحل پر اترا تھا وہ بھی صرف اندلس کے عیسائی بادشاہ راڈرک سے ایسی عورت کی عصمت کا بدلہ لینے جو مسلمان بھی نہیں تھی۔

مسلمان تو غیروں کی عزتوں کے محافظ تھے پھر کیا ہوا ہمیں"

وہ ایک بار پھر پھوٹ پھوٹ کر رہ پڑا۔ اسے یوں روتا دیکھ کر اس کے دل کو کچھ ہوا تھا۔

"اور اللہ نے بدر میں عین اس وقت تمہاری مدد کی تھی جب تم کمزور تھے پس تم اللہ سے ڈرو تا کہ تمہیں شکر ادا کرنے کی توفیق ہو" (ال عمران ۱۲۳)

اس کی اچانک آنکھ کھل گئی تھی دیکھا تو پاس ہی اس کی چارپائی کیساتھ رکھی چارپائی پر دادا جان سورۃ آل عمران کی تلاوت کر رہے تھے۔ اس نے سوچا۔

اوہ یہ تو خواب تھا اور یہ کیسا عجیب خواب تھا؟

اسے دیکھ کر دادا جان مسکرا کر بولے۔

"اٹھ گئے بچے!"

"جی دادا جان!"

"میں بھی ابھی تمہیں اٹھانے والا تھا فجر کی اذان ہو چکی ہے تم بھی وضو کر کے فوراً مسجد پہنچو!"

"جی دادا جان!"

ذوالفقار علی بھی وضو کر کے مسجد چلا آیا۔ وہ دادا جان کیساتھ باجماعت نماز ادا کر کے باقی نمازیوں کیساتھ مسجد سے نکل آیا۔ اسکا دماغ ابھی بھی اس خواب میں الجھا ہوا تھا تب ہی انہیں عضب احمد خان کا ماموں مسجد کے دروازے پر مل گیا۔

"السلام علیکم چاچا!" مجیب احمد نے سلام میں پہل کی۔

"وعلیکم السلام!" ذوالفقار اور دادا جان نے ایک ساتھ سلام کا جواب دیا۔

"کیسے ہو مجیب احمد!" دادا جان نے اسکا حال پوچھا۔

"جی اللہ کا شکر ہے، کل تم عشا کی نماز پر نہیں آئے تھے۔ خیریت؟"

"جی! وہ دراصل کل میں عضب احمد کی نماز جنازہ میں شرکت کرنے گیا تھا" یہ سن کر ذوالفقار تڑپ کر بولا۔

"کیا ہوا ہے میرے بھائی کو؟"

"کل رات اپنے علاقے کو دشمن سے چھڑانے کے لئے ایک کاروائی کی جانی تھی مگر اس سے پہلے کسی مخبر نے کاروائی کی خبر دشمن تک پہنچادی اور پھر اس خونریز جھڑپ میں عضب احمد خان کیساتھ کئی ساتھی جام شہادت نوش کر گئے" مجیب احمد نے کہا۔

''نہیں یہ نہیں ہوسکتا'' ذوالفقار بے چینی سے بولا۔

''ایسا کیسے ہوسکتا ہے؟ وہ تو مجھ سے ناراض تھا اس بار اس نے مجھے منایا بھی نہیں اور ناں مجھے منانے کا موقع دیا وہ ایسے کیسے مجھ سے ناراض ہوکر جاسکتا ہے؟''

ذوالفقار گرنے کے سے انداز میں مسجد کی دیوار کیساتھ بیٹھ کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑا۔ مجیب ذوالفقار کو حوصلہ دینے کے لئے آگے بڑھا تو دادا جان نے اسے کہا کہ فی الحال اسے اکیلا چھوڑ دو! وہ دونوں ذوالفقار کو اکیلا چھوڑ کر وہاں سے روانہ ہوئے۔

''ایسا کیسے ہوسکتا ہے اتنی ناراضگی کہ مجھے منانے کا موقع دیئے بغیر ہی تم چلے گئے؟'' وہ خود کلامی کرتے ہوئے رو رہا تھا۔ وہ وہاں سے اٹھ کر روانہ ہوا۔

وہ دونوں بچپن کے دوست تھے۔ ان کی دوستی بہت گہری اور مخلص تھی۔ وہ ساتھ کھیلے کودے اور بڑے ہوئے۔ ذوالفقار علی کا دادا محمد اعظم عالم ہونے کیساتھ غازی بھی تھے۔ انہوں نے سوویت یونین کیخلاف جہاد میں حصہ لیا تھا۔ اس کا بیٹا یعنی ذوالفقار کا والد بھی دشمنوں کے خلاف لڑتا ہوا شہید ہوا تھا۔ دشمنوں کی بمباری سے اس کا پورا گھرانہ تباہ ہوگیا تھا۔

اس کی دادی، والدہ اور چھوٹی بہن شہداء میں شامل تھیں۔ وہ اور دادا جان زخمیوں میں شامل تھے، ان کا علاقہ دشمنوں کے قبضہ میں چلا گیا تھا کافی عرصہ ہوچکا تھا وہ اپنے علاقے کو دشمنوں سے واپس لینے کے لئے مسلسل جدو جہد کر رہے تھے، مگر ہر بار ناکامی کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔

عضب احمد خان اور ذوالفقار علی نے بھی بندوق اٹھالی تھی مگر ہر بار ناکامی کیوجہ سے ذولفقار نے بد دل ہوکر بندوق اٹھانی چھوڑ دی اور اپنا راستہ الگ کرلیا۔ عضب احمد خان اس سے ناراض ہوگیا۔ اس نے اسے سمجھایا۔

''دیکھو ذوالفقار! ہمارا آبائی علاقہ دشمنوں کے قبضہ میں چلا گیا ہے جب تک ہم اسے آزاد نہیں کرالیتے ہم کیسے سکون سے بیٹھ سکتے ہیں؟''

عضب احمد کے سمجھانے پر اور بے حد اصرار پر ذوالفقار نے پھر سے جہاد میں حصہ لیا بار بار حملہ کیا گیا مگر ہر بار ناکامی ہوئی یہ دیکھ کر ذوالفقار نے دلبرداشتہ ہوکر بندوق چھوڑ کر اپنی راہیں الگ کرلیں اور اپنی دنیا میں مگن ہوگیا۔

ایک دن عضب احمد اسے سمجھانے کی غرض سے اس کے پاس آیا اور اسے سمجھانے لگا۔

''تم اس طرح کیسے ہار مان سکتے ہو؟''

''تو میں کیا کروں، ہر بار ناکامی ہوتی ہے کیا فائدہ ہے جدو جہد کرنے کا؟''

''تم اس طرح کیسے ہمت ہار سکتے ہو؟ ذوالفقار! تمہارے والدین نے تمہارا نام نبی

السیف حضرت محمد ﷺ کی تلوار پر ذوالفقار رکھا۔ وہ تلوار جسے بدر میں ہمارے نبی ﷺ نے حضرت علیؓ کے حوالے کی جس سے انہوں نے کافروں کے بڑے بڑے سرداروں کا قتل کیا۔ پھر تم کس طرح ہار مان سکتے ہو؟ گر کر دوبارہ اٹھنا ہی کمال ہے میرے بھائی! مسلسل جدوجہد ہی کامیابی کا دوسرا نام ہے"

"مگر ہم چند مٹھی بھر مجاہد اس طاقتور دشمن کا کیسے مقابلہ کر سکتے ہیں؟ ہمارے پاس ناں جدید ہتھیار ہیں اور ناں زیادہ سپاہی"

یہ عظمت باطل دھوکہ ہے
یہ قوت کافر کچھ بھی نہیں
مٹی کے کھلونے ہیں سارے
یہ کفار کے لشکر کچھ بھی نہیں

میرے بھائی! مسلمان اسلحہ اور فوج کی قلت کثرت کو دیکھ کر جنگ نہیں کرتا بلکہ وہ تو اپنے رب کے بھروسہ پر جنگ کرتا ہے، اگر جاننا چاہتے ہو تو ماضی کے اوراق پلٹ کر دیکھو!

وہ رب جس نے غزوہ بدر میں تین سو تیرہ لشکر کو نو سو پچاس مشرکین کے لشکر پر فتح دی تھی۔ غزوہ احد میں سات سو کے لشکر نے تین ہزار کے لشکر کو للکارا۔ غزوہ خندق میں صرف تین ہزار رہ کر بھی ایک لاکھ دشمنوں کو ناکام و نامراد کیا۔ غزوہ خیبر ہو یا پھر غزوہ موتہ، غزوہ حنین ہو یا پھر غزوہ یرموک کس کس غزوہ کے بارے میں بتاؤں۔ تاریخ کھول کر دیکھ لو! یہ مبارک سلسلہ یہیں پر ختم نہیں ہوتا بلکہ اس جہاد نے تو قیامت تک جاری رہنا ہے کیوں کہ اسے پیارے پیغمبر نبی ملاحم ﷺ کی دعا ہے، اس دن ان کے درمیان کافی بحث ہوئی تھی۔" عضب احمد خان نے کہا۔

"خدا کی قسم! اگر ایک ایک کر کے سب ساتھی بھی مجھے چھوڑ کر چلے گئے میں تب بھی پیچھے نہیں ہٹوں گا میں اکیلا ہی اپنے آخری دم تک آخری خون کے قطرے تک دشمن سے لڑونگا۔ پھر چاہے میں شہید ہو جاؤں مجھے کوئی غم نہیں میرے والدین نے میرا نام نبی کریم ﷺ کی تلوار عضب پر میرا نام رکھا اور میں اپنے پیارے نبی ﷺ کی تلوار کے نام کی لاج رکھوں گا۔" پھر عضب احمد اس سے ناراض ہو کر چلا گیا۔

ذوالفقار نے سوچا کہ وقتی ناراضگی ہے پھر میں اسے منا لونگا مگر اسے کیا معلوم کہ اس بار وہ راہ وفا کا مسافر اس سے واقعی میں ناراض ہو کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چلا جائیگا۔

ذوالفقار بہت دور نکل آیا تھا وہ ایک بڑے سے پتھر پر بیٹھ کر پرانی باتیں یاد کر کے رو رہا تھا۔ عضب کیساتھ اسکا پورا بچپن گزرا تھا۔ وہ علاقہ جس میں اس کی اور عضب کی یادیں تھیں اب وہ علاقہ دشمن کے قبضہ میں چلا گیا تھا۔ ایک ساتھی اسے ڈھونڈتا ہوا اس کے پاس آیا۔

(بقیہ صفحہ 78 پر)

کثیر الوجی فارمولا

انکل
میرے
انکل!
انکل
میرے
انکل!
دے دیں
مجھ کو!
ایک پیکٹ نمکو!

شہیر نے مترنم آواز میں کہا تو کینٹین والے صابر انکل مسکرا دیئے۔ انہوں نے شہیر کے ہاتھوں سے پیسے لیے اور نمکو کا پیکٹ اس کی طرف بڑھایا۔ شہیر نے نمکو کا پیکٹ کھول کر منہ میں انڈیلا اور بے ہنگم انداز میں منہ چلانے لگا، دوسرے ہی لمحے وہ ریپر کو ہوا میں اچھال چکا تھا اور وہ ریپر اڑتا ہوا مومی بہادر کے سامنے آ گرا۔ مومی اس وقت وہاں بیٹھا برگر کھا رہا تھا۔ اس نے دیکھا تو اس میں ابھی کافی نمکو بچی ہوئی تھی۔ مومی نے وہ ریپر اٹھایا اور شہیر کی طرف بڑھایا:

"ارے شہیر! اس میں تو کچھ نمکو بچی ہوئی ہے، اسے مکمل ختم کرو ناں"

"میں کوئی بھوکا تھوڑی ہوں کہ ریپر کو چاٹتا رہوں۔"

اس نے برا سا منہ بنایا۔

مومی بہادر کے کارنامے

محمد فیصل علی

''اس میں بھوکے پیاسے کی تو کوئی بات ہی نہیں، کھانے پینے کی چیزیں نعمت ہیں اور ہمیں ہر نعمت کی قدر کرنی چاہیے، اس سے نعمت بڑھتی ہے۔'' مومی نے وضاحت کی۔

''نہیں نہیں، تھوڑی سی نمکو ہی تو بچی ہے، تم کھاتے رہو، میں چلا۔''

شہیر نے لاپروائی سے ہاتھ ہلائے اور وہاں سے نو دو گیارہ ہو گیا۔ مومی بہادر اس کا منہ دیکھتا رہ گیا۔ اس کے جانے کے بعد اس نے بچی ہوئی نمکو پیکٹ سے نکال کر کھالی، کیوں کہ وہ رزق کی ناقدری نہیں کرنا چاہتا تھا۔

✶✶✶

یہ مرکزی بازار تھا۔ شاہراہ کے دونوں طرف بنی دکانیں سجی ہوئی تھیں۔ ردی فروش کی دکان کے ساتھ ہی ایک چھوٹی سی نیوز ایجنسی تھی جہاں پہ بچوں کے رسائل اور دیگر اخبارات وجرائد ملتے تھے۔ مومی اس وقت وہاں ایک رسالہ خریدنے آیا تھا۔ اس نے رسالہ خریدا اور ایجنسی والے کو پیسے دیئے، اسی وقت اس کے کانوں میں شہیر کی آواز سنائی دی:

''انکل! آپ کو اس سے کیا مطلب، آپ انہیں تولیں اور مجھے پیسے دیں!''

مومی نے مڑ کر دیکھا تو ردی والا ایک کاپی اٹھائے شہیر کے سامنے کھڑا تھا اور حسب معمول شہیر کے چہرے پر بارہ بجے ہوئے تھے۔ مومی تیز تیز چلتا ہوا ان کے پاس پہنچا اور سلام دعا کے بعد پوچھا:

''خیر تو ہے شہیر بھائی؟''

''ہاں یار! خیر ہے، میں یہ ردی بیچنے آیا ہوں۔''

شہیر نے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے بتایا۔

مومی نے ردی والے انکل کی طرف دیکھا تو وہ بولے:

''بیٹا! آپ ہی اپنے دوست کو سمجھاؤ کہ یہ کاپیاں نہ بیچے، ان میں ابھی بہت سارے صفحات صاف پڑے ہیں، یہ قابل استعمال ہیں۔''

ردی والے نے ہاتھ میں پکڑی کاپی کے صفحات تیزی سے الٹے اور مومی بہادر نے اس میں بہت سے سفید صفحات کی جھلک دیکھ لی۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا اور بولا:

''ہاں شہیر! یہ کاپیاں کیوں ضائع کر رہے ہو؟ اس میں تو تمہارے اہم نوٹس بھی ہیں، تم نے تو ان پہ بہت محنت کی ہے۔ امتحانات کے دنوں میں یہ کام آئیں گے۔''

''اف خدایا! چند صفحات ہی تو بچے ہوئے ہیں، یہ تھوڑے سے تو ہیں، کیا کروں گا ان کا میں، انکل پلیز! مجھے پیسے دیں یا پھر میں انہیں کسی اور کے پاس فروخت کرتا ہوں۔''

شہیر نے اپنا سر پکڑ لیا تھا، اس کی آخری دھمکی

کارگر رہی اور ردی والے انکل کاپیوں کا وزن کرنے لگے۔مومی بہادر کسی گہری سوچ میں گم تھا۔وہ اپنے دوست شہیر کے لیے فکرمند تھا کیوں کہ وہ اپنی چیزیں ضائع کر دیتا تھا،یہ کہہ کر کہ یہ تو تھوڑی سی چیز ہے جب کہ فطرت کا اصول ہے کہ قلیل کو ضائع کرنے والا کثیر سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔اس شام اس نے شہیر سے ملنے کا فیصلہ کیا،تاکہ اس سے بات چیت کر کے اسے سمجھا سکے اور پھر وہ اس کے گھر روانہ ہوگیا۔

✶✶✶

''بات کر چکا ہوں،وہ سمجھتا ہی نہیں،اس پہ بس غرور کا بھوت سوار ہے،اسے ہر چیز تھوڑی سی اور معمولی لگتی ہے''

مومی نے شہیر کا کیس اپنے دوستوں شونی اور تینو کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

''اس کا مطلب ہے اسے چیزوں کی قدر نہیں''تینو نے فکرمندی سے کہا۔

''اور وہ چیزیں ضائع کر دیتا ہے،یعنی اسراف سے کام لیتا ہے۔''

شونی نے سر ہلاتے ہوئے تبصرہ کیا۔

''اس کا حل سوچو،اور ہاں تھوڑا مزے دار ہونا چاہیے۔''

مومی نے اپنے مخصوص لب ولہجے میں کہا

''ٹھیک ہے،ویسے تم نے ابھی جو کثیر الوجی کا فارمولا پیش کیا ہے،اگر اس پہ ایک خاکہ بن جائے تو کیسا رہے گا؟''تینوں نے شوخ انداز میں کہا

''ہاہاہا،کمال ہو جائے گا،یہ کثیر الوجی کی ٹرم بھی خوب بنائی مومی نے،لفظ کثیر کو نئی اصطلاح میں بدل ڈالا'' شونی نے قہقہہ لگایا۔

''تو ٹھیک ہے نہ،بھئی یہ ڈیجیٹل دور ہے ناں''مومی ہنسا۔

''ہاہاہاہا۔تو پھر ٹھیک ہے بھائی،''کثیر الوجی'' پہ خاکہ بنائیں گے۔''

تینوں نے ہنستے ہوئے کہا اور وہ سب بھی ہنس پڑے۔

✶✶✶

قومی ترانہ مکمل ہوا اور اسمبلی اختتام پذیر ہوگئی۔اب سبھی بچے اسٹیج کی طرف نگاہیں جمائے کھڑے تھے کہ ابھی انہیں کلاسز میں جانے کا اشارہ ملے گا لیکن اسکول کے ڈسپلن ماسٹر صاحب نے انہیں بیٹھنے کا اشارہ دیا اور وہ سبھی بیٹھ گئے،ساتھ ہی ان کی آواز گونجی:

''عزیز طلباء!ہم جماعت کے کچھ بچے ایک اصلاحی خاکہ پیش کرنے لگے ہیں۔امید ہے آپ کو یہ خاکہ پسند آئے گا۔اس خاکے میں انس اور دادا جی دو کردار ہوں گے۔ملاحظہ کیجیے!''

خاکے کا سن کر سبھی طلباء میں جوش بھر گیا اور وہ دبی دبی آواز میں چہ مگوئیاں کرنے لگے۔ادھر سکول کے ملازمین اسٹیج پہ کرسیاں وغیرہ رکھ کر خاکے کے لیے منظر تیار کرنے لگے۔کچھ لمحوں بعد

مومی بہادر دادا جی کے روپ میں نمودار ہوئے اور ایک کرسی پر بیٹھ کر اخبار پڑھنے لگے۔ مومی کا حلیہ اور اداکاری دیکھ کر سبھی بچے بے اختیار مسکرا دیئے تھے۔

اسی لمحے تینو ایک طالب علم انس کے روپ میں ظاہر ہوا۔ اب دادا جی اور انس کے درمیان یوں مکالمہ ہونے لگا:

دادا جی: السلام علیکم انس بیٹے، آ گئے اسکول سے؟

انس: وعلیکم السلام! جی دادا جی!

دادا جی: بیٹے کل تمہاری گھڑی گم ہوگئی تھی۔ کیا وہ ملی؟

انس: نہیں دادا جی! اب گم ہوگئی تو ہوگئی، اب کون ڈھونڈے اسے۔ معمولی سی تو تھی۔

دادا جی: نہیں بیٹے، ایسا نہیں کرتے، ہمیں چھوٹی بڑی تمام چیزوں کی قدر اور حفاظت کرنی چاہیے، کیوں کہ جو قلیل کا خیال نہیں رکھتا، وہ کثیر کو بھی حاصل نہیں کرسکتا۔

انس: میں سمجھا نہیں، بھلا ہم چھوٹی چھوٹی چیزوں کے پیچھے کیوں بھاگتے پھریں؟

دادا جی: دیکھو، ہر چیز اہم ہے۔ مثال کے طور پر اپنی موٹر سائیکل کو دیکھ لو، اگر میں اس کا پلگ نکال لوں یا کوئی اور چھوٹا سا پرزہ تو موٹر سائیکل نہیں چلے گی، ایسے ہی ہے ناں؟

انس: جی جی دادا جی بالکل۔

دادا جی: درست، حالانکہ وہ پلگ بھی تو چھوٹا سا ہی ہوتا ہے اور معمولی قیمت کا بھی۔

انس: آپ نے درست کہا، اب میں سمجھ گیا۔

دادا جی: بالکل درست، قلیل چیز کثیر کی اصل ہوتی ہے، ادھر دیکھو! اس لفافے میں پھولوں کے بیج ہیں، یہ قلیل ہیں، اگر ہم انہیں کم یا معمولی سی مقدار سمجھ کر پھینک دیں گے، تو ہم کثیر کو حاصل نہیں کرسکیں گے۔ لیکن اگر ہم اس قلیل مقدار کی قدر کریں گے اور اپنے باغیچے میں بو دیں گے تو کچھ دنوں بعد ان کی وجہ سے کثیر پودے، پھول اور بیج ہمارے ہوں گے۔ میں اسے ''کثیر الوجی'' فارمولا کہتا ہوں۔

انس: ہاہاہا، دادا جی زبردست نام دیا آپ نے واہ!! یہ زبردست فارمولا ہے دادا جی۔

دادا جی: یہ فارمولا زندگی کے تمام پہلوؤں پر لاگو ہوتا ہے، تھوڑے کی قدر کرو اور زیادہ حاصل کرو، معمولی سے معمولی چیز کا خیال رکھو اور کامیابی حاصل کرو۔ مثال کے طور پر اسکول میں پیپر حل کرتے ہوئے کوئی لفظ، کوئی اسپیلنگ، کوئی ہندسہ چھوڑ دیں گے تو آپ کا سارا سوال غلط ہو جائے گا، اسی طرح کھیل میں معمولی سی غلطی آپ کو ہار اور شکست کی طرف لے جائے گی۔

انس: دادا جی، میں آئندہ ان سب باتوں کا خیال رکھوں گا۔

دادا جی: شاباش بیٹے!!

یہاں پہ یہ خاکہ ختم ہوا اور طلباء نے بھرپور انداز میں تالیاں بجا کر انہیں داد دی، مومی اور تینو نے طلباء کی طرف رخ کر کے سینے پر ہاتھ رکھ کر ان کی داد کا شکریہ ادا کیا اور اسٹیج سے رخصت ہو گئے، ایسے میں ڈسپلن ماسٹر صاحب کی آواز گونجی:

"پیارے بچو! امید ہے آپ کو یہ خاکہ پسند آیا ہو گا، چونکہ اس خاکے کا مرکزی خیال ہمارے ہونہار طالب علم شہیر نے دیا تھا اس لیے شہیر اسٹیج پہ آئیں اور پرنسپل صاحب سے اپنا انعام حاصل کریں۔"

شہیر اپنا نام سن کر ہکا بکا رہ گیا تھا، اس کی حیرت دیدنی تھی، تاہم وہ سمجھ چکا تھا کہ یہ کام مومی بہادر کا ہے، اور مومی بہادر نے یہ خاکہ اسی کی اصلاح کے لیے ہی پیش کیا ہے، اس نے دائیں بائیں دیکھا، سبھی نگاہیں اسے ہی تلاش کر رہی تھیں، اس لیے اس نے بیٹھے رہنا مناسب نہ سمجھا، وہ اٹھا اور تالیوں کی گونج میں اسٹیج کی طرف بڑھ گیا۔ وہ ہر اٹھتے قدم کے ساتھ اپنے دل میں یہ بات دہرا رہا تھا کہ ہم "قلیل" کی قدر کریں گے تو "کثیر" پا سکیں گے۔

✶✶✶

مسلمان بچے میگزین آپ ملاحظہ کر سکتے ہیں:

فیس بک:

www.facebook.com/AMB.OFFICIAL.313

ویب سائٹ:

www.musalmanbachay.com

بلاگ:

www.musalmanbachay.blogspot.com

ڈیجیٹل میڈیا کے مذکورہ ایڈریسز سے آپ ہر ماہ کے تازہ شمارے اور سابقہ شمارے حاصل کر سکتے ہیں۔

مسافر کا خط

عبداللہ جان مہمند

رات حد درجہ تاریک تھی، ایسی کہ ہاتھ کو ہاتھ سجائی نہیں دیتا تھا۔ آسمان پر سیاہ بادلوں کا قبضہ تھا اور چاند نجانے کہاں منہ چھپا کر بیٹھ گیا تھا، مزید یہ کہ گھنا جنگل، سو تاریکی خوب اپنا رنگ جما رہی تھی۔

ہوا اس زور سے چیخ وچنگھاڑ رہی تھی گویا آج سارے درختوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکے گی، بادلوں کی گھن گرج سے کانوں کے پردے پھٹ رہے تھے اور بجلی جب بھی چمکتی ایک لمحے کیلئے سارا ماحول روشن کر دیتی اور دوسرے ہی لمحے وہی گھٹا ٹوپ اندھیرا چھا جاتا، کبھی کبھار بڑی بڑی بوندیں بھی آجاتیں لیکن جلد ہی معدوم ہو جاتیں۔

وہ چند افراد پر مشتمل مختصر سا قافلہ جو اس گھنے جنگل میں اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھا ان سب چیزوں سے بے پرواہ مسلسل پیش قدمی میں مصروف تھا، ایک لمحے کے لیے بھی ان کی رفتار میں کمی نہیں آئی تھی۔

زمین کے اس ٹکڑے کا موسم اس قدر سرد تھا کہ سردی کھال گوشت پھاڑتی ہوئی ہڈیوں کا گودا جمائے دے رہی تھی، ایسے میں جسم سے لپٹا ہوا موٹا کمبل بھی سردی سے بچاؤ کے لیے ناکافی تھا لیکن یہ تمام افراد فوجیوں سے ملتی جلتی معمولی سی وردیوں میں ملبوس تھے مگر نہ تو یہ کسی ملک کے فوجی تھے اور نہ ہی کسی خفیہ مشن کے جاسوس، آج کی زبان میں یہ سب ''نان آفیشل لوگ'' تھے، لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں تھا کہ وہ غیر تربیت یافتہ تھے، بلکہ ایک

ایک فرد کی تربیت کسی پیشہ ور فوجی سے کسی طور کم نہ تھی۔انکی اعلیٰ تربیت کا اندازہ ان کی اس مرتب قطار سے لگایا جاسکتا تھا جو پہلی نظر میں کسی دھاگے میں پروئے ہوئے تسبیح کے دانوں سے مشابہ لگتی تھی۔

راستہ ناہموار، اونچے نیچے ٹیلوں اور ڈھلوانی تھا، مزید یہ کہ ان کا اسلحہ ان کے سینوں پر سجا ہوا تھا اور اضافی سامان بھاری بھرکم بیگوں میں پشت پر تھا یہ سب کچھ تھا مگر مجال ہے جو ان کی اس قطار میں فرق آتا۔

ان سب کے ہونٹ کپکپا رہے تھے، لیکن یہ صرف دیکھنے کی حد تک ایسا تھا، حقیقت میں ان کی زبانوں پر اس رب ذوالجلال کا ذکر تھا جس کا ایک عظیم حکم پورا کرنے کی خاطر وہ اپنے گھروں، محلوں اور ملکوں کو خیرباد کہہ کر برف پوش پہاڑوں، خشک بیابانوں اور گھنے جنگلوں کے مسافر بن گئے تھے۔

وہ ایک نوجوان جو اس قطار کا اول سے آٹھواں اور آخر سے تیسرا فرد تھا، بادو باراں گرج و چمک اور بھیگا ہوا موسم جو اس کی طبعی کمزوریوں میں سے ایک تھا، اس قسم کا موسم اس کے دماغ کے نازک گوشوں کو بیدار کر دیتا اور اس کے دل پر گہری اداسی طاری ہو جاتی، ایسے موسم میں اسے گھر والوں، ماں باپ بہن بھائی، اور دوست احباب کی یاد ستانے لگتی، خصوصاً بارش، جب بھی بارش ہوتی اس کی آنکھوں کے سامنے اپنی ماں کا چہرہ پھر جاتا اور ان کے ساتھ گزرا ہوا وقت یاد آنے لگتا۔

ایسا بارہا ہوا تھا لیکن آج کے موسم نے اس کے دل پر کچھ زیادہ اداسی طاری کر دی تھی، بار بار آنکھوں کے سامنے ماں کا چہرہ گردش کرنے لگتا اور ایک لمحے کے لیے اس کی زبان رک جاتی، وہ ماضی کی یادوں میں کھو جاتا پھر اچانک چونک اٹھتا اور سارے خیالات کو ذہن سے جھٹک کر پھر ذکر اللہ میں مشغول ہو جاتا، مگر چند لمحے بعد پھر وہی کیفیت ہو جاتی، وہ اپنی آج کی اس غیر معمولی کیفیت پر متحیر تھا۔

ابھی اس کی حیرت رفع نہیں ہوئی تھی کہ بارش شروع ہوگئی۔دفعتاً ایک آواز گونجی، یہ آواز ان کے سپہ سالار کی طرف سے تھی، دوران تربیت اس آواز کا معنی و مفہوم انہیں خوب سمجھایا گیا تھا، اس آواز کے الفاظ چاہے کچھ بھی رہے ہوں لیکن اسے سنتے ہی وہ سب ایسے رک گئے جیسے کسی چلتی مشین کا سٹاپ بٹن دبا دیا جائے اور سارے متحرک پرزے بیک وقت ساکن ہو جائیں۔

اگلا حکم بارش سے بچنے کا تھا، وہ سب راستے سے ہٹ کر ڈھلوان سے نیچے کی جانب اترنے لگے، جلد ہی وہ گھنے درختوں کی جھنڈ میں پہنچ گئے، یہ درخت اتنے گھنے تھے کہ بارش سے بچاؤ کا بآسانی ذریعہ بن سکتے تھے۔وہ سب درختوں کی چھاؤں میں بیٹھ گئے، چند لمحے بعد ان کا سپہ سالار اٹھا اور اپنا رومال بچھا کر رب عظیم کے

سامنے اپنی عجز وانکساری کے اظہار کے لیے کھڑا ہوگیا اور پھر یکے بعد دیگرے سبھی اسی حالت میں نظر آنے لگے۔

وہ جو معصوم اداؤں کا مالک تھا، وہ بھی اپنے رب کے سامنے سربسجود ہوگیا، نماز سے فارغ ہوکر وہ درخت کے تنے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

بارش تیز ہو چکی تھی، ہوائیں پہلے سے زیادہ پرجوش ہوگئیں تھیں اور گرج و چمک میں بھی اضافہ ہوگیا تھا، ایک طوفان باہر کی دنیا میں برپا تھا اور ایک اس کے دل کی دنیا میں، ایک تلاطم تھا طغیانی تھی، طوفان اور سیلاب تھا جو اسے ایک خاص سمت بہائے لے جارہا تھا۔

ایسا بارہا ہوا تھا اور ہر بار اس نے خود کو سنبھال بھی لیا تھا، مگر آج اسے اپنا دل بے قابو نظر آرہا تھا، ہر گزرنے والا لمحے کے ساتھ اس کی دل کی بے چینی بڑھتی جارہی تھی۔

یہ دیکھ کر اسے ڈر ہوا کہیں یہ بے چینی، یہ بے کلی، محبت اور یادوں کا یہ سیلاب اسے بہاتے ہوئے اپنی منزل سے دور نہ کردے، اس طوفان کا رخ کسی اور طرف موڑنا ضروری تھا، سو اس نے فیصلہ کیا، یہ طوفان یہ تلاطم بذریعہ قلم، قرطاس پر منتقل کردیا جائے۔

یہ سوچ کر اس نے اپنے کندھے سے اپنا مضبوط چرمی بیگ اتارا اور اس کے ایک خانے میں ہاتھ ڈال دیا، دوسرے لمحے اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی ڈائری اور قلم نظر آئے، اس نے ایک طائرانہ نگاہ اپنے ساتھیوں پر ڈالی ان میں سے کچھ سستا رہے تھے اور کچھ مشغولِ عبادت تھے، ایک چھوٹی سی ٹارچ اس نے اپنی جیب سے نکال کر روشن کردی، روشنی کا ایک محدود دھبہ ڈائری کے اوراق پر نظر آنے لگا اور دوسرے ہی لمحے اس کا قلم سادہ اوراق پر گھسٹنے لگا۔

تحریر کے آغاز سے معلوم ہورہا تھا کہ وہ کسی کے نام لکھا جانے والا ایک خط ہے، جس کا آغاز رب رحمٰن ورحیم کے نام سے ہوا۔

سلامِ مسنون کے بعد اس نے جو لفظ لکھا اس کے وجودِ تحریر میں آنے کے ساتھ ہی ایک طویل اور آسودہ سانس اس کے پھیپھڑوں سے آزاد ہوئی

''ماں''

''میری پیاری ماں، تو کیسی ہے؟ امید ہے ٹھیک ٹھاک اور خوش وخرم ہوگی، اباجی، بہن بھائی، باقی دوست احباب بھی بخیر وعافیت ہونگے

ماں! تجھے معلوم ہے اس وقت میں کہاں ہوں اور یہاں کیا ہورہا ہے؟ یہاں بہت تیز بارش ہورہی ہے، اور طوفانی ہوائیں چل رہی ہیں، ہم سب جنگل میں ہیں اور میں ایک گھنے درخت کے نیچے بیٹھا یہ سطور لکھ رہا ہوں اور اس درخت نے ایسے ہی مجھے بارش سے بچالیا ہے جیسے تو نے بچپن میں مجھے ہر دکھ اور پریشانی سے بچا کر اپنے

آغوش میں پناہ دی۔

ماں! جب بھی بارش ہوتی ہے مجھے تیری بہت یاد آتی ہے، ہمیشہ کی طرح آج بھی تیری یاد آئی اور اتنی شدت سے آئی کہ میرا دل بے قابو ہوگیا ، یہاں تک کہ مجھے ڈر لگا، کہیں ایسا نہ ہو تیری محبت کا سیلاب مجھے بہالے جائے اور مجھے اپنی منزل سے دور کردے، اسی لئے میں نے سوچا چلو تجھ سے کچھ باتیں کرلوں کچھ تو دل کا بوجھ ہلکا ہوجائے گا۔

ماں! یہاں آنے کے بعد میں پہلی بار تجھے مخاطب کررہا ہوں، دل میں ہلچل مچی ہوئی ہے، سمجھ میں نہیں آرہا کہ کیا لکھوں اور کیا چھوڑوں ، ہاں کچھ باتیں جو ذہن کے سلیٹ پر بار بار ابھر رہی ہیں، دل کہہ رہا ہے کہ وہی لکھ ڈالوں۔

میں جانتا ہوں ماں ! تو مجھ سے بہت محبت کرتی ہے، تجھے میری ہر بات یاد آتی ہوگی ، چل آج میں تجھے ایک بات یاد دلاتا ہوں۔

تجھے یاد ہے ایک دن جب بہت زور کی بارش ہورہی تھی، شادی کے موضوع پر بات کرتے ہوئے تو نے مجھے کہا تھا''میں تیری شادی کرنا چاہتی ہوں، بتا تجھے کیسی لڑکی پسند ہے؟''

اور تجھے میرا جواب بھی یاد ہوگا؟ میں نے کہا تھا:

''جیسی میری ماں میرے لیے پسند کرے''

دیکھ ماں! تیری پسند اور اور تیرے انتخاب میں کتنا خلوص ہوگا، مجھے اس کا اندازہ ہے کیوں کہ تیرا یہ خلوص اس محبت کی وجہ سے ہوگا جو تو مجھ سے کرتی ہے، لیکن اگر تجھ جیسی محبت کرنے والی ستر مائیں ہوں، ماں تو بتا ان کی پسند اور انتخاب کا کیا عالم ہوگا؟ یقیناً ان کا انتخاب پرستان کی کوئی پری ہی ہوگی۔

ارے ماں! تیری آنکھوں میں چمک اور چہرے پر مسکراہٹ کیسی؟ تو میرا اشارہ سمجھ گئی نا؟

ہاں ماں! میرا اشارہ اس ذات کی طرف ہے جسے رب عظیم کے نام سے پکارا جاتا ہے، وہ جو ستر ماؤں سے بڑھ کر محبت کرتا ہے، تو سوچ اس نے جو عورت میرے لیے منتخب کی ہے وہ کیسی ہوگی ؟ ہاں وہ ایسی ہی ہے کہ اس کی تعریف خود اس کے پیدا کرنے والے نے کی ہے۔

ماں! اس کا سارا حسن و جمال ایک طرف اس کا لعاب ِدہن ہی اتنا میٹھا ہے کہ دنیا کہ کڑوے سمندروں میں ڈال دے تو وہ شہد بن جائیں، پھر بتا ماں! میں تیری محبت کو اس عظیم رب کے محبت پر قربان کیوں نہ کروں، اور تیرے انتخاب پر اس کے انتخاب کو ترجیح کیوں نہ دوں،

ماں! اگر اس حور کا ''تھوک'' ہی اتنا میٹھا ہے تو اس کا پیار کتنا میٹھا ہوگا، اور ماں اس سے بڑھ کر سن! اگر مخلوق اتنی میٹھی ہے تو اسے بنانے والا کتنا میٹھا ہوگا، اللہ اکبر کبیرا، اس کی محبت کتنی میٹھی ہوگی اس کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا، میری خوش قسمتی ہے اس میٹھے رب نے مجھے اپنا قرب عطا کرنے

کیلئے مجھے اپنے راستے کیلئے منتخب کیا ہے، ماں! یہ کتنی خوشی کی بات ہے۔

ماں! مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے میری یہ باتیں پڑھ کر تیری آنکھوں میں آنسو آگئے ہیں لیکن خبر دار! یہ آنسو خوشی کے ہونے چاہیے، اگر غم کے ہوئے تو مجھے اس خط کے لکھنے پر ندامت ہوگی لیکن مجھے یقین ہے کہ یہ آنسو خوشی کے ہی ہونگے۔

ماں! تو غم نہ کیا کر، تو نے مجھے بہت اونچے کام پر بھیجا ہے پھر غم کیسا؟ ماں! تو میرے دوست روفی کو جانتی ہے ناں وہ جب باہر ملک گیا پورے پانچ سال کے لیے، میں نے تو نہیں دیکھا کہ اس کی ماں کبھی غمگین ہوئی ہو بلکہ وہ تو فخر سے لوگوں کو بتایا کرتی تھی کہ میرا بیٹا فلاں ملک گیا ہوا ہے، روفی پیسے کمانے گیا تھا اور اس کی ماں کو اتنا فخر تھا جبکہ تو نے مجھے ربِ عظیم کے عظیم راستے میں بھیجا ہے تو بھی فخر کیا کر اور ہاں شکر بھی۔

ماں! تو نے اور اباجی نے بہت بڑی قربانی دی ہے، اباجی کی قربانی شاید آپ سے بڑھ کر ہو، تجھے یاد ہے مجھے رخصت کرتے وقت تو کتنا روئی تھی، تو نے تو رو رو کر اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر لیا تھا لیکن ابا۔۔۔ اباجی تو اس دن بہت صبر کیے ہوئے تھے۔

ماں! تیری محبت ہمیشہ اباجی کی محبت پر غالب رہی ہے، لیکن اباجی کی محبت پردے میں ہے اور کتنی شدید ہے یہ اندازہ مجھے اس وقت ہوا جب وہ مجھے چھوڑنے آئے تھے، اس دن میں نے ان کی آنکھوں سنگلاخ چٹانیں دیکھیں، لیکن میں اچھی طرح جانتا تھا کہ یہ چٹانیں مصنوعی ہیں اگر میری محبت کی ایک بوند بھی ان پر پڑ جائے تو وہ پگھل کر پانی بن کر آنکھوں کے راستے بہہ جائیں گے اور ان میں پھر وہی محبت کے سرسبز اور شاداب باغ نظر آئیں گے، لیکن ابا نے اپنے دل پر جبر کر کے خود سنبھال رکھا اور میری محبت کی بارش ان کے آسمان جیسے وسیع دل کے بادلوں میں قید رہی اور ابا آخر تک مسکراتے رہے۔

وہ آخری بار مجھے گلے لگا کر جب جانے لگے تب بھی انہوں نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا، میں جانتا ہوں انہیں ایک بار پیچھے مڑ دیکھنے کی کتنی خواہش رہی ہوگی، لیکن شاید انہیں ڈر لگا ہوگا کہ پیچھے مڑ کر دیکھنے سے کہیں بند نہ ٹوٹ جائے اور محبت کا سیلاب سب کچھ بہا نہ لے جائے۔

ماں! یہ تیرا اور اباجی کا بہت بڑا کارنامہ ہے، آپ دونوں کو فخر ہونا چاہیے کہ آپ نے اپنے بیٹے کو اس دور کی مظلوم ترین قوم کی مدد کیلئے بھیجا ہے، ان کی مظلومیت کے جو قصے دنیا والوں تک پہنچتے ہیں وہ حقیقت کا عشر عشیر بھی نہیں ہیں، یہ لوگ اس سے بڑھ کر مظلوم ہیں جتنا ہم سنتے ہیں، ان پر ہوتا ہوا ظلم میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔

(بقیہ صفحہ 87 پر)

قبلہ عالی جاہ!

عطاء السلام سحر

گاؤں سے کچھ ہی فاصلے پر ایک بہت پرانا بوہڑ کا درخت تھا۔ پچاس، ساٹھ برس کی عمر کے بزرگ یہی کہا کرتے تھے کہ ہم نے اس درخت کو ایسے ہی

دیکھا ہے۔ گاؤں سے شہر جانے کا راستہ اُسی بوہڑ کے درخت کے نیچے سے ہی گزرتا تھا۔ غلام رسول بھی روزگار کے سلسلے سے روزانہ اسی کے نیچے سے گزرتا اور رات تقریباً دس، گیارہ بجے واپسی ہوتی جب سبھی گاؤں والے کام کاج سے فارغ ہو کر سادہ مٹی کی دیواروں سے بنی بیٹھک میں گپ شپ کے لیے جمع ہوتے تھے۔

عامر، عرفان اور خبیب تینوں آپس میں گہرے دوست تھے۔ تینوں کالج میں ایک ساتھ ایک ہی کلاس میں پڑھتے تھے۔ گاؤں میں ان کی اپنے ہم عمر لڑکوں سے اچھی نوک جھونک اور ہنسی مذاق ہوتی رہتی تھی۔

ایک دن تینوں کو شرارت سوجھی کہ جب غلام رسول رات کے وقت بوہڑ کے درخت کے نیچے سے گزرے گا تو ہم اسے ڈرائیں گے۔ ویسے بھی اس درخت کے بارے میں مشہور تھا کہ اس سے کئی مرتبہ پراسرار آوازیں سننے میں آئی ہیں۔

بنائے گئے منصوبے کے مطابق تینوں دوست بھیس بدل کر عشاء کے بعد اُس درخت پر چڑھ کر بیٹھ گئے۔ اب انتظار تھا تو بس غلام رسول کا۔

"یار! کیسے پتہ چلے گا کہ چاچا غلام رسول آرہا

ہے؟" عامر نے تجسس بھرے انداز میں پوچھا۔
"ہاں! یہ بات بھی ویسے ہے تو غور طلب؟" عرفان نے دونوں کے چہرے پر سوالیہ نظر دوڑائی۔
"بھلا! یہ بھی کوئی پریشانی والی بات ہے، میرے پاس ایسا ریڈار سسٹم ہے کہ اُس کے آنے سے قبل ہی پتہ چل جائے گا۔" خبیب نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"ہمیں بھی تو پتہ چلے نا! تاکہ ہم بھی منصوبے کے مطابق اپنا اپنا کام سرانجام دے سکیں۔" عامر نے مزید کہا۔
"غلام رسول کے پاس جو سائیکل ہے نا! سمجھو وہ سائیکل نہیں بلکہ ریل گاڑی ہے، ریل گاڑی! وہ جب بھی آئے گا تو ریل گاڑی کے چھکڑے کی طرح اس کا سائیکل کھڑکھڑ کھڑکھڑ کرتا آئے گا۔ بس پھر کیا! ہمیں پتہ چل جائے گا۔" خبیب نے ریڈار سسٹم کے پس پردہ جو بات تھی ان کے سامنے بیان کر دی۔
"اچھا یار! اب کافی وقت گزر چکا ہے، اب غلام رسول آتا ہی ہوگا۔" عرفان نے دونوں کو متوجہ کرنے کے لیے کہا۔
"گھڑی کیا کہتی ہے؟" خبیب نے پوچھا۔
"گیارہ سے گیارہ منٹ اوپر ہو چکے ہیں" عرفان نے بتایا۔
"یار! خیر تو ہے آج؟ ابھی تک چاچا غلام رسول نہیں آیا؟" عامر نے استفہامیہ انداز میں پوچھا۔
"آجائے گا تھوڑی دیر صبر تو کرو!" خبیب نے تسلی دی۔
"تھوڑی تھوڑی آواز محسوس ہو رہی ہے یار! کھڑکھڑکی ۔۔۔۔" کچھ دیر بعد خبیب نے شہر سے گاؤں آنے والے راستے پر توجہ مرکوز کرتے ہوئے کہا۔
"ایسا محسوس تو ہو رہا ہے" دونوں نے اُس کی بات کی تصدیق کی۔ چند لمحے بعد کھڑکھڑکی آواز زیادہ سنائی دینے لگی۔ تینوں نے منصوبے کے مطابق فوراً اپنے اپنے مورچے سنبھال لیے۔ خبیب نے کالے رنگ کا ایک لمبا سا کرتا زیب تن کیا ہوا تھا۔ سر پہ لمبے لمبے دستی بال لگائے ہوئے تھے۔ عامر اور عرفان نے بھی عجیب و غریب بلا بننے کی بھرکوشش کر رکھی تھی۔
غلام رسول جوں ہی بوہڑ کے درخت کے قریب آیا تو خبیب نے درخت پر سے آواز لگائی:
"اوئے میرے یار غلام رسول! تو روز یہاں سے گزرتا ہے، کبھی ٹھہر بھی جایا کر، آجا! دل کھول کر آج گپ شپ کریں" اُس نے جوں ہی آواز سنی تو اس کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ اس کے ذہن میں فوراً خیال آیا کہ رات کے اس گھپ اندھیرے میں اور تو کوئی نہیں، جن، بھوت ہی ہوں گے۔
"آؤ! تجھے آسمان کی سیر کرائیں ۔۔۔۔"

عرفان نے بوہڑ کی ٹہنیاں زور زور سے ہلانے کے بعد بلند آواز میں کہا۔غلام رسول اب درخت کے عین نیچے پہنچ چکا تھا۔اس کا جسم تھر تھر کانپ رہا تھا۔خوف کی وجہ سے وہ پسینے سے شرابور ہو چکا تھا۔ دل کی دھڑکن تیز ہو چکی تھی۔

"ارے! رکیے ذرا! آپ تو بس بھاگے ہی جا رہے ہیں۔" خبیب نے آواز لگائی۔اُس نے سائیکل سرپٹ دوڑانا شروع کر دی۔تینوں نے مل کر زور زور سے بوہڑ کی ٹہنیاں ہلائیں، پتوں کے آپس میں ٹکرانے سے خوف ناک شور پیدا ہوا۔اب انھوں نے فوراً نیچے اتر کر غلام رسول کے پیچھے بھاگنا شروع کر دیا۔اس نے جب دیکھا کہ جو بھی بلا ہے پیچھے پڑ گئی ہے تو پوری طاقت کے ساتھ سائیکل کو مزید تیز دوڑانا شروع کر دیا۔اب غلام رسول آگے تو وہ تینوں پیچھے پیچھے بھاگے جا رہے ہیں۔اُنھوں نے منہ سے عجیب و غریب آوازیں نکالنا شروع کر دیں۔غلام رسول سے سائیکل سنبھالی نہ گئی بالآخر! وہ ساتھ دھان کی فصل میں سائیکل سمیت جا گرا۔فصل میں تازہ تازہ پانی لگا ہوا تھا۔اُنھوں نے سائیکل اور جوتے وہیں پڑے رہنے دیے اور خود کیچڑ سے لت پت، آنکھیں بند کر کے دوڑ لگا دی۔خدا خدا کر کے وہ ہانپتے کانپتے گھر پہنچا۔

"خیر تو ہے غلام رسول! یہ کیا حال بنا رکھا ہے؟" اس کی بیگم نے پوچھا۔

"بس! نہ پوچھو حال، آج تو میرے پیچھے کوئی بڑی بلا پڑ گئی تھی اُس بوہڑ والے درخت پر سے، میرا نام لے لے کر بلایا۔ پہلے کہا کہ آؤ گپ شپ کریں، پھر کہا کہ آؤ تجھے آسمان کی کرائیں۔ پتوں کا شور اتنا تھا کہ جیسے اتنے بڑے درخت پر جنگ چھڑ گئی ہو۔خدا کا شکر ہے کہ میں گھر پہنچ گیا۔جو بلا بھی تھی میرے تو پیچھے پڑ گئی، سائیکل وہیں دھان کی فصل میں چھوڑ آیا ہوں اور جوتے بھی وہیں پڑے ہیں" اُس نے اپنی اکھڑتی ہوئی سانس کو بحال کرتے ہوئے جواب دیا۔

پورے گاؤں میں غلام رسول کا واقعہ مشہور ہو گیا۔ڈر کے مارے اب کوئی بھی رات دیر سے گھر واپس نہ آتا تھا۔جب وہ تینوں دوست غلام رسول کا واقعہ کسی کے منہ سے سنتے تو حیران رہ جاتے اور اُس سے کہتے کہ پھر تو غلام رسول کو خدا نے محفوظ رکھا۔ ورنہ! ایسی بلائیں تو جان سے بھی مار دیتی ہیں۔یہ بڑا خوش نصیب ہے کہ بچ گیا۔

چند ماہ بعد کالج کی طرف سے ایک تفریحی دورے کا منصوبہ بنایا گیا تو تمام طلبہ تیار تھے۔اپنی پوری کلاس میں عامر، عرفان اور خبیب اپنی شرارتوں کی وجہ سے مشہور تھے تو وہ بھی ساتھ چلے۔ مقررہ دن کچھ اساتذہ اور پوری کلاس بس میں سوار اپنے تفریحی دورے کے سفر پر گامزن تھی۔

(بقیہ صفحہ 80 پر)

چوری

بہرام علی وٹو

سرمد بہت زیادہ شرارتی بچہ تھا۔ اُس کے والدین کے مالی حالات اتنے زیادہ اچھا نہ تھے لیکن پھر بھی وہ سرمد کو ایک اچھے سکول میں پڑھا رہے تھے۔ سرمد کا والد ایک پرائیوٹ کمپنی میں بطور سیکورٹی گارڈ کام کرتا تھا۔

سرمد جہاں کُند ذہن تھا وہیں اُس نے ایک بہت بُری عادت چوری کی پالی ہوئی تھی۔ وہ گھر سے کاپی پینسل لینے کے لیے پیسے لیتا لیکن اُنہیں پیسوں کی وہ پاپڑ بسکٹ کھالیتا تھا۔ وہ اکثر کاپی اور پینسلیں اپنے کلاس فیلوز کی چوری کر لیتا تھا۔ پہل پہلے تو بچوں کو پتہ نہیں چلا۔

مثال ہے "سو دن چور کا، ایک دن مالک کا" اسی طرح جلد ہی تین عدد کاپیاں چوری کی گئی اُس کے بیگ سے برآمد ہوئیں۔ لڑکوں نے اُستاد کو بتایا تو اُستاد صاحب نے سرمد کو اچھی خاصی ڈانٹ پلائی۔ تاکہ سرمد ایسی بُری عادت کو چھوڑ دے لیکن سرمد کی کان پر جوں تک نہ رینگی اُس نے بات ایک کان سے سُنی اور دوسرے سے نکال دی۔

اُس نے اپنی بُری عادت کو ویسے اپنائے رکھا۔ اب اُس کے تمام کلاس فیلوز اُس سے دور رہنے لگے۔ کوئی بھی اُسے اپنا دوست نہ بناتا تھا۔ باقی سارے بچے آپس میں مل کر کھیلتے لیکن وہ سرمد کو بُلاتے تک نہیں تھے۔ اُستاد بھی اُس کو روزانہ ڈانٹ ڈپٹ دینے سے تنگ آچکے تھے۔ اُنہوں نے ایک دن سرمد کے گھر کال کی۔ سرمد کی والدہ جب سکول پہنچی تو پرنسپل صاحب نے سرمد کو مزید سکول پڑھانے سے صاف انکار کر دیا۔ جب سرمد کی والدہ نے وجہ جانی تو وہ بھی حیران تھی۔ اُسے سرمد سے اُمید نہیں تھی کہ وہ سکول میں ایسے کام کرتا ہوگا۔ اُس نے پرنسپل صاحب سے سرمد کی طرف سے معافی مانگی اور وعدہ کیا کہ آئندہ سرمد ایسا کوئی غلط فعل نہیں کرے گا۔

سرمد جب رات کو سونے لگا تو اُس کی ماں نے شفقت سے اُسکے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"آج میں اپنے بیٹے کو ایک کہانی سناؤں گی۔ تم سنو گے ناں؟"

سرمد نے ہاں میں سر ہلا دیا۔ اُس کی ماں نے کہانی سُنانا شروع کر دی۔

"نوید ایک چھوٹا سا بچہ تھا۔ اُس کا والد بہت غریب تھا۔ اُس کا والد معمولی ملازمت کرتا تھا۔ نوید کی ماں کو بہت شوق تھا کہ نوید اچھی تعلیم حاصل کر کے اعلیٰ افسر بن جائے لیکن نوید کی ایک عادت بہت بری تھی کہ وہ سکول میں چوری کرتا تھا۔ جس وجہ سے سکول والوں نے اُسے سکول سے نکال دیا۔ لیکن نوید نے یہ بُری عادت نہ چھوڑی بلکہ وہ جیسے جیسے بڑا ہوتا گیا اُس نے چوریاں بڑی کرنا شروع کر دی۔

ایک دن وہ پولیس کے ہاتھوں چوری کرتا پکڑا گیا اور اُسے سزا ہوگئی اور اُس کی ماں بچاری روتی رہ گئی۔ یوں نوید ایک اعلیٰ آفسر بننے کی بجائے صرف چوری کرنے کی وجہ سے مجرم بن گیا تھا۔"

اُس کی ماں نے کہانی کا اختتام کرتے ہوئے سرمد سے پوچھا۔

"پیارے سرمد! تم بتاؤ کہ اس کہانی میں تم نے کیا سبق سیکھا؟"

سرمد نے ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے کہا۔

"امی جی! چوری ایک بہت بُری عادت ہے۔ یہ انسان کو اعلیٰ انسان بنانے کی بجائے مُجرم بنا دیتی ہے۔"

اُس کی ماں نے شاباش دیتے ہوئے کہا۔

"تم نے بہت اچھی بات کی۔ بیٹا! الحمدللہ ہم مسلمان ہیں۔ اسلام میں چوری کی سزا ہاتھ کاٹنا ہے۔ پھر یہ کام اللہ پاک کو بالکل پسند نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے بھی سختی سے اس چوری نہ کرنے کا حُکم صادر فرمایا ہے۔ آخرت میں چوری کرنے والے کو سخت سزا بھی ملے گی۔"

سرمد کو اس کہانی میں اپنی جھلک نظر آنے لگی۔ وہ خود ہی سمجھ چکا تھا کہ اگر اُس نے یہ عادت نہ چھوڑی تو اُس کا انجام بھی نوید جیسا ہوگا۔ اُسے اپنی اس بُری عادت کے خلاف سخت نفرت ہوگئی تھی کیوں کہ وہ نہ تو اپنی ماں کے آنکھوں میں آنسو دیکھ سکتا تھا نہ وہ خود مجرم بننا چاہتا تھا۔ اُس نے اپنے دل میں پکی سچی توبہ کر لی۔

چند دنوں بعد وہ تمام کلاس فیلو اُس کے اچھے دوست بھی بن گئے تھے کیوں کہ اب وہ کوئی بھی چیز چوری نہیں کرتا تھا۔ اب وہ دل لگا کر پڑھنے بھی لگا تھا تا کہ وہ اپنی ماں کا خواب پورا کر سکے۔ کیونکہ اُس کی ماں روزانہ اُسے کہا کرتی تھی کہ ان شاءاللہ ایک دن وہ ضرور آئے گا جب میں اپنے سرمد کو بڑا آفسر بنے دیکھوں گی۔

آخر کار خدا نے ایک ماں کی دعا اور سرمد کی محنت کی بدولت سرمد کو اعلیٰ آفسر بنا دیا۔

سرمد اپنے ماں اور باپ کو اپنے ساتھ عمرے کی سعادت بھی حاصل کروالایا۔ اُس کے والدین کے لیے وہ بہت خوشی کے لمحات تھے۔ سرمد بھی خوش تھا کہ اُس نے اپنی ماں کا خواب پورا کر دیا۔

راز سربستہ ابو شفاء

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سواریاں

محدثین کرام نے رسولِ کریم ﷺ سے نسبت رکھنے والی ہر ہر چیز کے ذکر کو محفوظ کرنے کی کوشش کی ہے، یہی وجہ ہے کہ کتبِ سیرت میں ہمیں جہاں آقا مدنی ﷺ کی مُبارَک سیرت کے انوارات نظر آتے ہیں، وہیں آپ سے نسبت رکھنے والی اشیاء مثلاً برتن، نعلین، استعمال کی دیگر اشیاء، خُدّام وغیرہ کا ذکر بھی ملتا ہے۔

آج کے رازِ سربستہ میں آقا مدنی ﷺ سے نسبت رکھنے والی خوش بخت اشیاء میں سے چند سواریوں کا مختصر تذکرہ ملاحظہ فرمائیے:

بُراق

یہ حضرت آقا مدنی ﷺ کی سواری کے ساتھ ساتھ آپ کا معجزہ بھی ہے۔ اِس انوکھی اور جنّتی سواری پر حضورِ پُرنور ﷺ نے مشہور قول کے مُطابق 27 رجب المرجب کو مکّہ سے بیتُ المقدّس تک سفر فرمایا۔ اس کا رنگ سفید، سینہ مثل یاقوت سرخ، اور پرندوں کی طرح دو بازو تھے۔ برق کا مطلب ہے بجلی اِسے بجلی کی مانند تیز رفتار ہونے کی وجہ سے بُراق کہا جاتا ہے۔ حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ یہ جانور گدھے سے قدرے بُلند اور خچّر سے قدرے چھوٹا ہے (یعنی درمیانہ قد ہے) اور جہاں اس کی نظر کی انتہاء ہے وہاں اس کا قدم پڑتا تھا (صحیح مسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھوڑے

حضرت آقا مدنی ﷺ کو گھوڑے پسند تھے، آپ ﷺ کی سواری بننے کا شرف حاصل کرنے والے گھوڑوں کا مختصر ذکر کیا جاتا ہے:

سَکْب:

یہ پہلا گھوڑا تھا جو آپ ﷺ کی ملکیت میں آیا۔ آپ نے اسے بنو فَزارہ کے ایک شخص سے دس اُوقیہ میں خریدا تھا اور غزوۂ اُحد میں آپ ﷺ نے اسی پر سوار ہو کر شرکت فرمائی تھی۔ اس گھوڑے کا نام "السکب" اس لئے رکھا گیا کہ یہ ایسے دوڑتا تھا جیسے سمندر کی روانی۔ "سکب" بہنے کو کہتے ہیں اور یہ تشبیہ ہے کہ جس طرح پانی بہتا ہے ویسے ہی یہ گھوڑا دوڑتا تھا۔

سَبْحَہ:

امام ابن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ گھوڑی آپ ﷺ نے ایک اَعرابی سے خریدی تھی۔ اس گھوڑی پر آپ ﷺ نے دوڑ میں مقابلہ کیا اور یہ دوڑ میں آگے نکل گئی جس پر آپ ﷺ بہت مَسرور ہوئے۔

لِزَاز:

یہ گھوڑا آپ کو مُقَوقِس (والی مصر) نے تحفہ میں دیا تھا۔ آپ ﷺ اسے اس کی سیاہ رنگت کی وجہ سے پسند فرماتے تھے۔ آپ اکثر اِسی پر سوار ہو کر غزوات میں تشریف لے جاتے۔

بَحْر:

یہ گھوڑا آپ ﷺ نے یمن سے آئے ہوئے تاجروں سے خریدا تھا۔ آپ ﷺ نے اس گھوڑے پر سوار ہو کر بارہا گھڑ دوڑ میں سَبقت کی۔ (یعنی سب سے آگے رہے)

المُرتَجِز:

یہ وہی گھوڑا ہے جس کے بارے میں آپ ﷺ نے حضرتِ خُزیمہ کی شہادت (گواہی) کو دو مردوں کی گواہی کے برابر قرار دیا تھا۔ اس گھوڑے کا نام المرتجز اس لئے رکھا گیا کہ اس کے ہنہنانے کی آواز منفرد تھی۔ شاعری کی ایک قسم ہے جسے "رجز" کہا جاتا ہے۔

یہ شاعری میدان جنگ میں سپاہیوں کے حوصلے بلند کرنے کے لئے پڑھی جاتی ہے۔ جس طرح میدان جنگ میں شاعر رجز پڑھ کر سپاہیوں کے حوصلے بلند کرتا ہے، اسی طرح المرتجز گھوڑے کے ہنہنانے سے سپاہیوں کے حوصلے بلند ہوتے ہیں گویا گھوڑا بھی رجز پڑھ رہا ہو۔

ظَرِبْ:

یہ گھوڑا حضرتِ سیدنا فروہ بن عمرو جذامی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ ﷺ کو تحفہ دیا تھا

لُحَیف:

یہ آپ کو عامر بن عامری نے تحفہ دیا تھا

وَرْد:

یہ آپ کو تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تحفہ دیا تھا۔

مِرْوَاح:

حضرت سیدنا مرداس رضی اللہ تعالیٰ عنہ وفد کی صورت میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کو یہ گھوڑا تحفہ میں پیش کیا۔

مندوب

یہ حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا

گھوڑا تھا۔حضرت قتادہ کہتے ہیں کہ میں نے انس رضی اللہ عنہ سے سنا۔آپ نے بیان کیا کہ مدینے پر (دشمن کے حملے کا) خوف تھا۔اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے ایک گھوڑا جس کا نام مندوب تھا مستعار لیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر سوار ہوئے (صحابہ بھی ساتھ تھے) پھر جب واپس ہوئے تو فرمایا، ہمیں تو کوئی خطرہ کی چیز نظر نہ آئی، البتہ یہ گھوڑا سمندر کی طرح (تیز دوڑتا) پایا۔(بخاری)

کتب ِ سیرت میں آپ ﷺ کے مزید گھوڑوں کے نام بھی ذکر کئے گئے ہیں۔بہرحال کتب سیرت میں مشہور یہی گھوڑے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے خچر:

دُلدُل:

یہ سیاہی مائل سفید رنگ کا خچر مُقَوقس (والی مصر) نے آپ کی بارگاہِ عالیہ میں تحفۃً پیش کیا تھا۔ آپ ﷺ سفر میں اس پر سوار ہوئے، آپ ﷺ کے بعد حضرتِ سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس پر سواری کرتے رہے اس کے بعد حضرتِ سیّدُ نا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ملا۔

فِضّہ:

یہ فروہ بن عمرو جذامی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کو پیش کیا تھا۔

سفید رنگ کا خچر

یہ وہ خچر تھا جو ایلہ کے بادشاہ ابنُ العَلماء نے آپ کو تحفہ میں دیا، یہ سفید رنگ کا تھا، اسے بھی آپ ﷺ کی سواری بننے کا شرف حاصل ہوا۔

حبشہ کا خچر

وہ خچر جو شاہ حبش نَجاشی نے آپ ﷺ کو تحفتاً پیش کیا۔

خچر دومۃ الجندل

وہ خچر جو دُومۃُ الجندل کے بادشاہ اُکیدر بن عبدالملک نے آپ کو تحفہ میں بھیجا۔

ایرانی خچر

وہ خچر جو شاہِ کسریٰ نے آپ کی بارگاہ میں تحفتاً پیش کیا۔(زرقانی علی المواہب، 5/106)

رسول اللہ ﷺ کے درازگوش

درازگوش یعنی گدھا انبیا اور رسولوں کی سواری ہے اور سرکار ﷺ کی ملکیت میں بھی دو درازگوش تھے:

عُفَیر

جو کہ مقوقس مصر نے آپ ﷺ کو تحفہ میں بھیجا تھا اور دوسرے کا نام

یَعْفُوْر

تھا۔یعفور نامی دراز گوش آپ ﷺ کو خیبر میں ملا تھا۔اس کے بارے میں الشفاء میں عجیب وغریب روایات منقول ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے اونٹ:

مَکْتَسَب:

یہ ابو جہل کا اونٹ تھا جو غزوۂ بدر میں آپ ﷺ کو بطورِ غنیمت ملا۔آپ اس پر جہاد کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔ اس کے علاوہ آپ ﷺ میدانِ عَرَفات میں سُرخ اونٹ پر جلوہ افروز ہوئے۔

رسول اللہ ﷺ کے اونٹنیاں

قُصْوٰی:

جسے حضرتِ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چار سو درہم کے بدلے خریدا تھا۔ یہ آپ ﷺ کے پاس ہی رہی۔اسی پر آپ ﷺ نے مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی۔

عَضْبَاء:

جس کے بارے میں روایت ہے کہ یہ کبھی دوڑ میں کسی اونٹ سے پیچھے نہیں رہی تھی۔ایک مرتبہ ایک اَعرابی کے اُونٹ سے دوڑ میں پیچھے رہ گئی،جس پر مسلمانوں کو بہت افسوس ہوا۔آپ ﷺ نے مسلمانوں کا یہ حال جان لیا اور ارشاد فرمایا :

اللہ پر یہ حق ہے کہ دنیا میں جو چیز بھی بُلند ہو اسے پَست کر دے۔عَضباء نے آپ کی وفات کے بعد غم میں نہ کچھ کھایا،نہ پیا اور وفات پا گئی۔

جَدْعَا:

اس پر سوار ہو کر آپ ﷺ نے حجۃُ الوداع کا خطبہ ارشاد فرمایا تھا۔

صَہبَاء:

حجۃُ الوداع کے دن آپ ﷺ نے اس اونٹنی پر سوار ہو کر رَمی فرمائی تھی یعنی مِنیٰ کے مقام پر شیطان کو کنکریاں ماری تھیں۔

اس کے علاوہ علمائے کرام نے آپ ﷺ کی مزید ان اونٹنیوں کے نام ذِکر فرمائے ہیں:

مہرا،اَطْلَال،اَطراف،بردہ،بُغُوم،برکہ،حَنَّاء، زمزم،رَیَّا،سَعدِیہ،سُقیا،سَمرا،شَقرا،عَجرہ،عُرَیس، غَوثہ،قمریہ،مروہ،مُہرہ،وُرشہ،یَسیریہ(زرقانی علی المواہب،5/111)

ضرب المثل پہ مبنی سولفظی کہانی

محمد مستقیم

جنگل میں مور ناچا، کس نے دیکھا؟

21

وہ بہت بڑے اسکالر تھے۔ان کی کاوشوں سے سامنے آنے والی تحقیقات نے دنیا بھر میں ہلچل مچا دی تھی۔بہت سارے ممالک نے انہیں اپنے یہاں آنے کی پیشکش کی تھی اور لاتعداد مراعات دینے کی یقین دہانی کرائی تھی۔انہوں نے سب کو ایک جواب دیا:

''جنگل میں مور ناچا، کس نے دیکھا؟''

مطلب کام ایسا ہو جسے سب دیکھیں اور سب مانیں۔الگ تھلگ اور پردیس میں رہ کر کام کرنے کا کیا فائدہ۔آخر کار ان کی اپنے وطن سے محبت جیت گئی اور وہ اپنے ملک کے قابل فخر اسکالر بنے اور خوب چمکے۔

ایک دُعاء ایک نمونہ

حضرت مولانا محمد مسعود اظہر صاحب حفظہ اللہ

اللہ تعالیٰ ہمیں کافروں کے لئے فتنہ نہ بنائے.....موجودہ حالات میں ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم ایک "نمونہ" اور "طریقہ" اختیار کریں اور ایک دعاء کا بہت اہتمام کریں.....

نمونہ اور طریقہ تو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہے اور دعاء بھی وہی دعاء جو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اُن کے رفقاء نے مانگی تھی.....یہ دعاء بہت مؤثر، بہت پرنور اور بہت طاقتور ہے.....بلکہ یوں سمجھ لیں کہ حفاظت کا قلعہ ہے۔قرآن پاک کے اٹھائیسویں پارے کی سورۃ الممتحنہ کی آیت ۵، ۶، ۷ میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم کافروں سے تعلق کے بارے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریقے اور نمونے کو اپنائیں.....اور انہی آیات میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں وہ دعاء بھی سکھادی ہے جو کفر کے طوفانوں سے مقابلے کیلئے محفوظ کشتی اور سفینے کا کام دیتی ہے۔

ملاحظہ فرمائیے ان تین مبارک آیات کا خلاصہ.....اور اُن کے مضامین کی کچھ تفصیل.....

خلاصہ

اہل ایمان کے لئے لازمی تاکید اور دستور عمل کہ وہ کفار و مشرکین سے تعلق کے بارے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے رفقاء کا طرز عمل اختیار کریں۔حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے رفقاء نے علی الاعلان کفار سے دشمنی، بغض اور براءت کا اعلان کیا تھا۔اور فرمایا تھا کہ جب تک تم ایمان نہیں لاؤ گے ہمارا تم سے کوئی تعلق نہیں

اور نہ ہم تمہیں کوئی حیثیت دیتے ہیں۔ (اصل چیز دین اور عقیدہ ہے باقی سب کچھ اس کے بعد ہے) اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے رفقاء نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی کہ یا اللہ! ہم نے تمام کفار سے قطع تعلق کر کے صرف آپ کی ذات پر بھروسہ کیا ہے اور آپ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور آخر آپ ہی کی طرف لوٹ کر آنا ہے۔ اے ہمارے پروردگار کفار کو ہم پر غالب نہ کیجئے کہ اس کی وجہ سے وہ فتنے میں پڑ جائیں اور خود کو برحق سمجھنے لگیں۔ اور ہمارے گناہ بخش دیجئے۔

ایمان والوں کو پھر تاکید کی جاتی ہے کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کو مانتے ہیں اور آخرت کا یقین رکھتے ہیں تو وہ کفار سے تعلق کے بارے میں ابراہیمیؑ طرز عمل اختیار کریں اور یاد رکھو اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو اللہ تعالیٰ کو بھی تمہاری پرواہ نہیں وہ غنی ہے اور خوبیوں والا ہے۔ تمہاری عبادت اور وفاداری کا محتاج نہیں۔

بہترین نمونہ، بہترین مثال

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے رفقاء، کفار کے مقابلے میں بہت کم تعداد اور کمزور تھے۔ شروع میں تو یہ کل تین افراد تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام، آپ کی اہلیہ محترمہ اور آپ کے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام۔ جبکہ ان کے مدمقابل کفار ومشرکین بہت طاقتور تھے۔ ملک کا بادشاہ بھی مشرک تھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کے لوگ بھی مشرک تھے۔ اتنی کمزوری کے باوجود حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان تمام کافروں سے کھلی دشمنی اور براءت کا اعلان فرمایا۔ اور ان سب کو بے حیثیت قرار دیا (کفرنا بکم) بے شک کافر ومشرک بے حیثیت ہی ہوتا ہے۔ جس نے اپنے خالق ومالک اور معبود کو نہ مانا نہ پہچانا اس کی کیا حیثیت؟ جس نے بتوں کو اور مخلوق کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرایا اس کی کیا حیثیت؟

دین اور عقیدے کے زور پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ساری قوم سے قطع تعلق، اور بیزاری کا اعلان فرمایا۔ اور صاف کہہ دیا کہ جب تک اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک لہ پر ایمان نہیں لاؤ گے اس وقت تک تم سے ہمارے تعلقات بحال نہیں ہو سکتے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ طرز عمل ظاہری طور پر جنون نظر آتا ہے آخر دو چار افراد اتنی بڑی قوم کے مقابلے میں کر ہی کیا سکتے ہیں؟ اس میں تو سوائے اپنی ہلاکت کے اور کوئی نتیجہ نظر نہیں آتا۔ مگر اللہ تعالیٰ کو یہی طرز عمل پسند آیا۔ اور قرآن پاک بتا رہا ہے کہ یہ جنون نہیں "توکل علی اللہ" تھا۔ اور اسی طرح کے طرز عمل سے دنیا میں بڑی تبدیلیاں آتی ہیں۔ اگر ایمان والے ہی ایمان کو کچھ نہ سمجھیں اور کافروں کے سامنے دبے رہیں۔ اور کافروں کی

ظاہری ترقی سے مرعوب ہوکر ان کو معزز عالمی برادری تسلیم کرلیں۔اور اپنی کامیابی ان کی برادری کا حصہ بننے میں سمجھتے رہیں تو پھر ان کی قدر کو کون تسلیم کرے گا۔(واللہ اعلم بالصواب)

یہ جوانمردی قادر مطلق کے بھروسے پر تھی

''نینویٰ اور بابل کے بادشاہ اور انکی قوم اور سردار بت پرست تھے،صرف ابراہیم علیہ السلام اور ان کے بھتیجے لوط علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی ایمان لائی تھی،اس وقت اس قوم کے مقابلے میں جو ہر طرح سے قابو یافتہ (یعنی غالب) تھی اس بے کسی کی حالت میں یہ کہہ دینا کوئی آسان بات نہ تھی،یہ جوانمردی محض اس قادر مطلق کے بھروسے پر تھی،(اللہ تعالیٰ) مسلمانوں سے فرماتا ہے کہ تم کو بھی ابراہیم علیہ السلام کی پیروی کرنی چاہیئے،مشرکین تمہارا کیا کرسکتے ہیں؟ کس لئے ان سے محبت رکھتے ہو؟ برادری اور دوستی خدا کے دشمنوں سے کیسی؟ مسلمان کے سچے ایمان اور اللہ تعالیٰ کی پوری محبت کا یہ مقتضیٰ ہے کہ اس کے دشمنوں،بددینوں،ملحدوں سے قطع تعلق کردے،ان سے محبت اور یکانگت اور دلی اخلاص ایمان کے ساتھ ایک دل میں جمع نہیں ہوسکتا''(حقانی)

دنیا خواہ متعصب کہے

''یعنی تم مسلمانوں کو یا بالفاظ دیگر ان لوگوں کو جو اللہ تعالیٰ سے ملنے اور آخرت کے قائم ہونے کے امیدوار ہیں،ابراہیم علیہ السلام اور ان کے رفقاء کی چال اختیار کرنی چاہیئے،دنیا خواہ تم کو کتنا ہی متعصب اور سنگدل کہے،تم اس راستہ سے منہ نہ موڑو،جو دنیا کے موحد اعظم نے اپنے طرز عمل سے قائم کردیا،مستقبل کی ابدی کامیابی اسی راستہ پر چلنے سے حاصل ہوسکتی ہے۔اگر اس کیخلاف چلوگے اور اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے دوستانہ گانٹھو گے تو خود نقصان اٹھاؤ گے،اللہ تعالیٰ کو کسی کی دوستی یا دشمنی کی کیا پرواہ ہے وہ تو بذات خود تمام کمالات اور ہر قسم کی خوبیوں کا مالک ہے،اس کو کچھ بھی ضرر نہیں پہنچ سکتا(عثمانی)

کافروں کے سامنے جھکنا ایمان کیخلاف ہے

''ایمان اور کفر کی ہمیشہ سے لڑائی رہی ہے،حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے جو اپنی قوم سے اور اپنے باپ سے مباحثے ہوئے جگہ جگہ قرآن پاک میں مذکور ہیں۔ان باتوں میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں نے بغیر کسی مداہنت کے اپنی قوم کے سامنے اعلان کردیا کہ ہم تم سے اور تم اللہ تعالیٰ کے سوا جس کی بھی عبادت کرتے ہو اس سے بیزار ہیں،اس اعلان کے ساتھ یہ بھی کہ ہم تمہارے منکر ہیں ،ہم تمہارے دین کو نہیں مانتے اور

ہمارے تمہارے درمیان بغض ہے اور دشمنی ہے اور یہ دشمنی ہمیشہ رہے گی۔ جب تک تم اللہ وحدہ لاشریک لہ پر ایمان نہ لاؤ۔ اہل ایمان کو اس طرح کھلے طور پر اپنے ایمان کا اعلان کرنا چاہئے، کافروں کے سامنے جھکنا اور ان سے ایسی ملاقات کرنا جس سے ظاہر ہوتا ہو کہ ان سے دوستی ہے یا یہ کہ وہ بھی دین حق پر ہیں یا یہ کہ ہمارا دین کمزور ہے۔ (العیاذ باللہ) یہ سب باتیں ایمان کیخلاف ہیں ڈنکے کی چوٹ اعلان کردیں کہ ہم تم سے نہیں اور تم ہم میں سے نہیں، کافروں سے کسی قسم کی موالات اور مداہنت کا معاملہ نہ کریں گے" (انوار البیان)

ایک مؤثر اور جامع دعاء

طاقتور کافروں کے درمیان رہتے ہوئے ان سے کھلی دشمنی اور براءت کا اعلان آسان کام نہیں ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے رفقاء نے یہ سخت مشکل کام اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر کیا اور اس موقع پر انہوں نے جس دعاء کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی مدد مانگی۔ وہ دعاء قرآن پاک کے واسطے سے سب امت کو بھی سکھادی گئی۔

رَبَّنَا عَلَیْکَ تَوَکَّلْنَا وَاِلَیْکَ اَنَبْنَا وَاِلَیْکَ الْمَصِیْرُ رَبَّنَا لَاتَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَاغْفِرْلَنَا رَبَّنَااِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ

"یعنی اے ہمارے رب ہم نے سب کو چھوڑ کر آپ پر بھروسہ کیا اور سب سے ٹوٹ کر آپ کی طرف رجوع ہوئے اور ہمیں یقین ہے کہ ہم سب کو آپ کی ہی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ اے ہمارے رب ہمیں کافروں کیلئے محل آزمائش اور تختہ مشق نہ بنا اور ایسے حال میں مت رکھ جس کو دیکھ کر کافر خوش ہوں اور وہ اسلام اور مسلمانوں پر آوازیں کسیں اور ہمارے مقابلے میں خود کو حق پر سمجھنے لگیں۔ اے ہمارے رب ہمارے گناہ معاف فرما کہ اگر ان گناہوں کی سزا میں ہم پر برے حالات آئے تب بھی کافر یہ سمجھیں گے کہ وہ حق پر ہیں اور ہم غلط راستے پر ہیں۔ اے ہمارے رب آپ غالب ہیں، حکمت والے ہیں آپکی زبردست قوت وحکمت سے یہی توقع ہے کہ اپنے وفاداروں کو دشمنوں کے مقابلہ میں مغلوب ومقہور نہ ہونے دیں گے (مفہوم عثمانی، مظہری وغیرہ)

ہم کو کافروں کیلئے فتنہ نہ بنا

مسلمان جب غالب ہو تو وہ کفار کے لئے ہدایت اور رحمت کا ذریعہ بن جاتا ہے کہ کافر اس کی حالت دیکھ کر ایمان کی طرف راغب ہوتے ہیں لیکن اگر مسلمان مغلوب اور غلام ہو تو اس کی یہ حالت کافروں کے لئے فتنہ بن جاتی ہے۔ وہ جب اس کی کمزوری اور ظاہری ذلت دیکھتے ہیں تو انہیں

اپنے کفر کی حقانیت کا یقین ہونے لگتا ہے۔ چنانچہ وہ اپنے غلط عقیدے اور مذہب پر اور زیادہ پختہ ہوجاتے ہیں۔جس طرح آج کل کے اکثر کفار کی حالت ہے کہ وہ کہتے ہیں ''ہم بہت اچھے ہیں اس لئے کہ ہم مسلمان نہیں'' (نعوذ باللہ)

اس مبارک دعاء ابراہیمی میں اللہ تعالیٰ سے یہی مانگا گیا کہ اے ہمارے رب ہمیں کفار کے لئے فتنہ نہ بنا''

حضرات مفسرین نے اس کے تین مطلب بیان فرمائے ہیں۔

(۱) یااللہ ہمیں کفار کے ہاتھوں سے عذاب نہ دے اور نہ اپنی طرف سے عذاب میں مبتلا فرما ورنہ یہ کفار کہیں گے کہ اگر مسلمان حق پر ہوتے تو ان کی یہ حالت نہ ہوتی۔

قال مجاهد: لاتعذبنا بايديهم ولا بعذاب من عندک فيقولوا:لو كان هؤلاء على حق ما اصابهم هذا وكذا قال الضحاک.....

(۲) یااللہ ان کافروں کو ہم پر غالب نہ فرما اگر یہ غالب ہوگئے تو وہ اس فتنے میں پڑ جائیں گے کہ وہ برحق ہیں اس لئے غالب ہیں۔

(۳) یااللہ انہیں ہم پر غالب نہ فرما ورنہ یہ ہمیں بہت تکلیفیں پہنچائیں گے۔(اور ستاتا کر کافر بننے پر مجبور کریں گے)

عن ابن عباس لاتسلطهم علينا فيفتنونا۔ (تفسیر ابن کثیر)

گناہوں کی شامت سے بچا

وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا

اے ہمارے رب ہمیں بخش دے۔

تفسیر مظہری میں ہے:۔

کبھی اپنے گناہوں کی وجہ سے مومن مبتلائے عذاب ہوجاتے ہیں اور کفار کا ان پر غلبہ ہوجاتا ہے اس لئے درخواست مغفرت کا ذکر کیا گیا۔(مظہری)

سوچ کا فرق

ایک سوچ یہ ہے کہ:۔

''ہم مسلمان ہیں، کمزور ہیں کفار بہت طاقتور ہیں وہ ہمیں بہت نقصان پہنچا سکتے ہیں اس لئے ہم ان سے دوستی کرلیں، ان کے ساتھ تعاون کریں آخر ہم نے دنیا میں تو رہنا ہے''

گویا کہ کافروں کے شر سے صرف کافروں کی دوستی ہی ہمیں بچا سکتی ہے (نعوذ باللہ)

دوسری سوچ یہ ہے کہ

ہم مسلمان ہیں، اللہ تعالیٰ کے وفادار بندے ہیں، جو بھی اللہ تعالیٰ کا دشمن کافر ہوگا ہم اس کے دشمن ہیں۔ ہم ساری دنیا کے کفار کو اسلام کی دعوت دیتے ہیں ہم کمزور ہیں، کفار طاقتور ہیں تو وہ ہمیں نقصان پہنچا سکتے ہیں اس لئے ہم اللہ تعالیٰ کی

طرف رجوع کریں۔ صرف وہی ہمیں ہر نقصان سے بچا سکتا ہے۔ اور ہم نے ہمیشہ دنیا میں تو نہیں رہنا اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنا ہے اس لئے دنیا کے عارضی مفاد کی خاطر ہم کافروں سے دوستی کر کے اللہ تعالیٰ کو ناراض نہ کریں۔

سخت تاکیدی حکم

امام نسفیؒ لکھتے ہیں:۔

تاکید کا کوئی طریقہ ایسا نہیں جو ان آیات میں اختیار نہ کیا گیا ہو یعنی قسم کے ذریعہ، ترغیب کے ذریعہ، وعید کے ذریعہ الغرض ہر طریقے سے تاکید فرمائی کہ کافروں سے تعلق کے بارے میں صرف اور صرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریقے کو اختیار کرو۔ فلم یترک نوعا من التاکید الا جاء بہ۔ (المدارک)

مجاہدین کے لئے اہم سبق

اکثر مفسرین فرماتے ہیں کہ ان آیات میں جو دعاء آئی ہے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے رفقاء کی دعاء ہے۔ جبکہ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اس دعاء سے پہلے ''قولوا'' کا لفظ مقدر ہے۔ کہ اے مسلمانو! تم یہ دعاء مانگو۔

الغرض یہ دعاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ''اسوۃ'' ہو۔ تب بھی مجاہدین کو اسے اپنا معمول بنانا چاہئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ''اسوۃ'' اختیار کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے زمانے کے کافروں سے کھلی دشمنی کا اعلان فرمایا اور یہ دعاء مانگتے رہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو کامیابی، غلبہ اور اپنی خصوصی رحمت عطاء فرمائی۔ ان کا کام بھی جاری رہا اور ان کا نام بھی آج تک مبارک ہے۔

اور دوسرے قول کے مطابق اگر ایمان والوں کو اس دعاء کے مانگنے کا حکم دیا گیا ہے تو بھی اسے معمول بنانا ضروری ہوا اور اس صورت میں ربط واضح ہے کہ مسلمانوں کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اسوۃ اختیار کرنے کا حکم دیا گیا جو کہ کافی مشکل کام ہے تو اس میں آسانی کے لئے یہ دعاء سکھائی گئی کہ مسلمان یہ دعاء مانگیں اور اس دعاء کے تقاضوں پر عمل کریں (واللہ اعلم بالصواب)

رَبَّنَا عَلَيْکَ تَوَكَّلْنَا متصل بما قبل الاستثناء وهو من جملة الاسوة الحسنة وقيل معناه قولوا ربنا فهو ابتداء امر من الله للمومنين بان يقولوه (المدارک)

رَبَّنَا عَلَيْکَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْکَ اَنَبْنَا وَاِلَيْکَ الْمَصِيْرُ .....

رَبَّنَا لَاتَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ

(آمین یا ارحم الراحمین)

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقه سیدنا محمد واله وصحبه وسلم تسلیما کثیرا کثیرا کثیرا.....

☆.....☆.....☆

آخری قسط.....

محمد شعیب کھروڑپکا

جواب

جیپ جس تیزی سے فراٹے بھرتے ہوئے سفر قطع کر رہی تھی اب سڑک پر "چخ" کی آواز سے گھومی اور مغربی جانب صحراء میں قلابازیاں کھاتے ہوئے دور تک جا پڑی۔ وہ تینوں فوراً حرکت میں آئے اور جیپ کے سر پر آپہنچے، ڈرائیور اور گارڈ تو پہلے ہی سے اپنے اگلے جہاں کو سدھار چکے تھے بس ایک ہی شخص جوان کا مطلوب تھا درد کی وجہ سے کراہ رہا تھا، انہوں نے صحراء میں اڑتی ہوئی دھول میں اپنے شکار کو دبوچا اور جہاں سے آئے تھے ادھر ہی کو واپس چلے گئے۔

مغوی "تابوتیوں" کا ایک مذہبی پیشوا ہونے کے ساتھ ساتھ ان کی ملٹری انٹیلی جنس کا اہم ہرکارہ بھی تھا۔ اس کی گمشدگی پر تابوتیوں کی اعلیٰ قیادت تک کوئلوں کے درمیان لوٹ رہی تھی، اور ان کے تمام اعلیٰ سطحی ادارے اور تنظیمیں فعال اور متحرک تھیں اتنا تو ان سب کو معلوم تھا کہ یہ کام "پاکیزہ شہر" کے پاکیزہ باسیوں کے علاوہ کسی کا نہیں ہوسکتا۔ لیکن وہ ہیں کون؟ انہوں نے یہ کیا کس طرح اس بارے میں ان کے تمام اعلیٰ دماغ مات کھا چکے تھے۔

ظلم کی ایک حد ہوتی ہے جب وہ حد سے بڑھنے لگتا ہے تو اس کا اختتام قریب ہونے لگتا ہے۔ پھر اچانک ایک دن مٹ جاتا ہے یا مدمقابل ایسا تھپکا جواب دیتا ہے کہ ظالم کھسیانا ہو کر سر چھپانے لگتا ہے۔

کمانڈر عبدالشہید نے مغوی ہرکارے کو انتہائی خفیہ مقام پر قید کیا ہوا تھا اور باوجود اس کے سفاک اور ظالم ہونے کے اس پر کسی قسم کا ریمانڈ روا نہیں رکھا، بلکہ اسے آرام سے محفوظ جگہ دی، ان کا مقصد کسی بڑے معاملے کے لئے اس کی رہائی کو استعمال کرنا تھا اور ہوا بھی یہی تنظیم شر پسند نے کچھ عرصہ قبل مسلمانوں کے ایک جہادی کمانڈر کو گرفتار کیا تھا ان کے ساتھ ان کے کئی اہم ساتھی بھی تھے اور انہیں انتہائی بے دردی اور سفاکیت کا نشانہ بنایا جارہا تھا۔ شہر پاکیزہ کے باسیوں کے پاس ان کی رہائی کی صورت نہیں تھی اب جب ان کا اپنا بندہ ہاتھ سے گیا تو انہیں فکر لاحق ہوئی۔

ایسا نہیں تھا کہ مسلمانوں کی طرح انہیں اپنے بندے کی فکر تھی بلکہ انہیں اپنی خفیہ انٹیلی جنس کی خفیہ معلومات کے فاش ہونے کا خدشہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ مجاہدین نے جیسے ہی مغوی کے بدلے میں اپنے مجاہدین کا مطالبہ کیا فوراً تعمیل ہوئی اور اس کے بعد آپ جانتے ہیں کیا ہوا۔ جس مغوی کی خاطر مجاہدین کے کمانڈر کو رہائی دی گئی اس کے بازیاب ہوتے ہی اس سے جان چھڑانے کا سوچنے لگے کیونکہ اب یہ ان کے کام کا نہیں رہا تھا۔

"شہر پاکیزہ" پر بمباری جاری تھی۔ تابوتی بڑھ چڑھ کر میزائل داغ رہے تھے اور وہ بھول گئے تھے کہ ظلم کی ایک حد ہوتی ہے اور جب وہ بڑھ جاتا ہے تو خود ہی مٹ جاتا ہے، جیسا کہ ماضی کے اندر جالوت کے ظلم کو ختم کرنے کے لیے طالوت کے ۳۱۳ کے لشکر نے داؤدی پتھروں سے مقابلہ کیا تھا۔ اب "محاذ" اور اسلامی جہاد" کے بارودی میزائل نہ سہی کمانڈر عبدالشہید کے داؤدی پتھر ان کی راہوں میں ضرور حائل ہوں گے۔

مجاہدین محاذ اور اسلامی جہاد نے جواب میں دفاعی میزائل داغے اور پھر تابوتیوں کے لشکر میں بھگدڑ مچ گئی۔ دنیا بھر سے آئے ہوئے "بہائم" اپنے باداؤں سے واپسی کا مطالبہ کرنے لگے، مگر یوربی بہائم پچھمی بہائم پر ہمیشہ غالب رہے اور انہیں نو آباد کاروں میں داخل کر کے فرنٹ لائن پر رکھ لیا۔ لیکن صورتحال یہ تھی کہ تابوتیوں کا حفاظتی کنٹرول روم پروگرام بھی کام نہ آسکا اور بہت سے میزائل اندر تک آپہنچے، نتیجتاً بہت سے صیہونی بہائم مارے گئے اور بہت سے ہسپتال سدھار گئے۔

اب یک چشم دجالچے نے اپنے پروردہ ڈوگی کی یہ حالت دیکھی تو رہ نہ سکا اور درمیان میں پڑ کر جنگ تیزی کرادی۔

کمانڈر عبدالشہید اور اس کے ساتھیوں نے شہر پاکیزہ کے باشندوں کو بیت پاکیزہ کے اندر خون میں تڑپتے دیکھا تو غم و غصے سے پیچ و تاب کھانے لگے اور خصوصاً فراز اس کی تو نیند حرام ہوگئی وہ ہر وقت بدلے کے بارے میں سوچتا رہتا یہاں تک کہ ایک موقع

ایسا آیا کہ انہیں مقصد نظر آنے لگا، وہ اس نادر موقع سے مقاصد حاصل کرنے کے لئے کمر بند ہو گئے۔

سرحدی پٹی سے پار ہلچل مچی ہوئی تھی۔ کمانڈر عبدالشہید کے سیکریٹ کو خفیہ ذرائع سے معلوم ہو گیا کہ مغربی کنارے پر ایک خاص میٹنگ ہونی ہے جس میں شرکت کے لیے سمندر پار سے تابوتیوں کے باوا آئیں گے، انہوں نے اس خاص موقع کو غنیمت جانتے ہوئے کچھ خاص کرنے کا پروگرام بنالیا۔ کاروائی کی تمام تر منصوبہ بندی فراز کے ذمہ لگی، اس نے راتوں رات تمام پہلوؤں پر غور کر کے ایک منصوبہ تشکیل دے ڈالا اور جن اشیاء کی ضرورت پیش آسکتی تھی انہیں مہیا کرلیا۔

اگلے دن وہ مکمل تیاری کے ساتھ کچھ مجاہدین کو لیکر نکل کھڑا ہوا جب وہ مغربی کنارے پر سرحدی پٹی کے قریب آیا تو باقی مجاہدین کو یہیں ٹھہرایا اور خود ضرار احمد کو ساتھ لے کر تابوتیوں کے علاقے میں گھس گیا۔

فراز نے اپنی تخلیقی صلاحیت اور انجینئرنگ کی بنیاد پر ایسی شکل بنالی تھی جو مہمان ملک کے وزیر خارجہ کی تھی اور چال ڈھال بھی ہو بہو اس کی اپنا چکا تھا۔ دوسری طرف ضرار احمد نے چالاکی سے وزیر خارجہ کو راستے میں روک لیا۔ اب ایک طرف تو وزیر خارجہ ان کی حراست میں تھا۔ دوسری طرف تابوتیوں کے ایوان میں عماد الدین فراز بیٹھا تھا، یہی وجہ ہے کہ صیہونی مصنفین نے فراز کے کارناموں سے مرعوب ہو کر ایسی ایسی داستانیں گھڑی کہ ان کی عوام نے عماد الدین کو ایک مافوق الفطرت، ماورائی اور دیومالائی مخلوق سمجھ بیٹھے اور ناول نگار اس پر ناول لکھ لکھ کر شہرت کمانے لگے۔

☆.....☆.....☆

ایئر پورٹ پر خوب چہل پہل تھی، ہر ایک اپنے آپ میں مگن تھا۔ کوئی رن وے کی طرف بڑھ رہا تھا، کوئی لاؤنج میں داخل ہو رہا تھا، کوئی واپسی کیلئے نکل رہا تھا۔ ایسے میں ایک شخص لاؤنج سے نکل کر رن وے کی طرف بڑے اعتماد سے داخل ہوا۔ ایک مخبر کی نظر پڑ گئی تو اس نے فوراً ہیڈ کوارٹر کو پیغام بھیجا کہ فراز ایئر پورٹ پر پایا گیا ہے، اسی دوران دوسرا پیغام موصول ہوا کہ فراز دفتر خارجہ میں موجود ہے اور ساتھ ہی سرحدی پٹی پر فوج نے ایک فراز کو دیکھا تھا، تابوتی دفاع چکرا کر رہ گئے۔ اگر ایک فراز اصل ہے تو پھر دوسرا لازمی طور پر مصنوعی اب یہ کیسے معلوم ہو کہ حقیقی فراز کون ہے اور مصنوعی فراز کون؟ ان کے خفیہ ادارے اور تنظیمیں فوراً حرکت میں آچکیں اور جگہ جگہ ناکے لگا دیئے گئے۔

ایئر پورٹ کا چپہ چپہ چھان لیا گیا، پولیس اور فوج نے سرحدی علاقوں میں بھی ہر طرف اپنے

ہرکارے پھیلا دیئے۔ دفتر خارجہ بھی اکھاڑے کا منظر پیش کرنے لگا مگر ابھی تک فراز کی بازیابی نہ ہوسکی تھی اسے زمین نگل گئی تھی یا آسمان؟ یہ الگ بات ہے کہ فراز وہاں تھا ہی نہیں لیکن اگر وہ وہاں ہوتا بھی تو کونسا وہ اسے آسانی سے تلاش کر لیتے!!!

☆.....☆.....☆

جب گربڑ اسرائیل کے تمام سرکاری اور نیم سرکاری ادارے چوکوں چوراہوں پر فراز کو تلاش کررہے تھے وہ ایک نئی کاروائی کیلئے پرتول رہا تھا اور اس کے تانے بانے بننے اور منصوبہ بندی میں مشغول تھا گھوم گھما کر کمانڈر کے سیکریٹ کی نظر جس پر ٹکی وہ تابوتیوں کی خفیہ لیبارٹری تھی، جس کے متعلق ضرار احمد کو پچھلے برس معلوم ہو چکا تھا۔ جب تجارتی سلسلے میں ایک ساہوکار سے ان کی ملاقات ہوئی اور باتوں ہی باتوں میں لیبارٹری کا تذکرہ بھی زبان پر آگیا اس وقت تو ضرار احمد کو احساس نہیں ہوا تھا مگر اب معلوم ہوا کہ وہ بڑا خزانہ تھا جو ان کے ہاتھ لگا۔

بہر حال! یہ تو طے ہوگیا کہ ہمارا اگلا ٹارگٹ خفیہ لیبارٹری ہی ہے مگر اس کے بارے میں معلومات بہم پہنچانا کس کے ذمہ لگایا جائے، یہ ایک مشکل سوال تھا۔ ضرار احمد اپنے سابقہ تعلقات کی بنیاد پر جو معلومات مزید اکٹھی کرسکا تھا وہ کامیاب کاروائی کے لئے ناکافی تھیں، ابھی وہ اسی پریشانی میں غلطاں تھے کہ ایک خفیہ پیغام موصول ہوا۔

یہ صیہونی ملٹری انٹیلی جنس کے ایک ریٹائر نمائندے کی وساطت سے موصول ہوا، ریٹائر نمائندہ، شاید اپنی انٹیلی جنس سے کسی بناء پر بھاگنا چاہ رہا تھا، اور خفیہ ایجنسی اسی بناء پر اسے مارنا چاہتی تھی اسی لیے اسے بچنے کی صورت یہی نظر آئی کہ کمانڈر عبدالشہید کے سیکریٹ سے رابطہ کیا جائے کیونکہ وہ انہیں اچھی طرح پہچانتا تھا اور ان کے رویہ سے بھی پوری طرح باخبر تھا۔

جی ہاں! یہ وہی مغوی تھا جو کچھ عرصہ پہلے کمانڈر صاحب کے سیکریٹ کی حراست میں رہ چکا تھا۔

مغوی کا تار جیسے ہی موصول ہوا فراز فوراً اسکا مطلب سمجھ گیا۔ اگلا لمحہ مشورے کا تھا تینوں نفوس نے آنکھوں ہی آنکھوں میں مشورہ کیا اور تعاون کا ہاتھ بڑھانے کا فیصلہ کرلیا۔ کیونکہ مغوی نے جس چیز کی پیشکش کی تھی وہ ان کی تھرکتی رگ تھی۔

مغوی کی طرف سے لیبارٹری کی معلومات حاصل ہوگئیں تو انہوں نے نقشہ تیار کرلیا اور اسی کے مطابق منصوبہ سازی کرنے لگے۔ جب ساری تیاری مکمل ہو چکی تو کمانڈر صاحب خود اور فراز بنفس نفیس کاروائی کے لئے چلے۔

ان کا رخ ایک لمبا چکر کاٹنے کے بعد شمال مغرب کی طرف تھا۔ انہوں نے پہاڑی اور جنگلی راستے کا انتخاب کیا، راستہ پرخطر ضرور تھا مگر مشکلات نسبتاً کم تھیں، ان کے پاس سائلنسر لگی رائفلیں، لیزر

گنیں اور قدیم و جدید اسلحہ موجود تھا، انہوں نے زائد سامان ایک درخت کے نیچے گڑھا کھود کر محفوظ کر دیا تاکہ بوقت ضرورت کام آسکے اور درخت پر نشانی چھوڑ کر آگے چل دیئے۔

انہوں نے ایک مرتبہ پھر نقشہ کھول کر دیکھا اور تمام داخلی و خارجی اور ممکنہ راستے ذہین نشین کیے اور آگے بڑھ گئے۔

اب ان کے سامنے ایک دیوہیکل عمارت کا عقبی حصہ تھا۔ انہوں دور ہی سے اس کا بغور جائزہ لیا اور نفی میں گردن ہلا کر پیچھے ہٹ آئے اس جگہ سے اندر داخل ہونا قریباً قریباً ناممکن تھا۔ انہوں نے ایک مرتبہ پھر چکر کاٹا اور عمارت کے دائیں طرف آ کھڑے ہوئے انہوں نے اپنے آپ کو اچھی طرح جھاڑیوں کے اندر چھپایا ہوا تھا۔ ابھی وہ سامنے کا جائزہ لے رہے تھے کہ کچھ فوجیوں کی آواز ان کے قریب سے آئی۔ وہ فوراً سنبھل گئے اور سانس روک لیا۔ فوجی جیسے جیسے قریب آرہے تھے۔ ان کے دل اچھل کر حلق کو آرہے تھے، ایسا نہیں تھا کہ انہیں موت نے خوف میں مبتلا کر دیا ہو بلکہ وہ مشن کی تکمیل سے پہلے کسی صورت اپنی جان نہیں گنوانا چاہتے تھے۔

فوجی جب ان کے بالکل قریب آگئے تو انہوں نے دیکھا وہ پورے چار ہیں اگر دو ہوتے تو کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ ایک فراز دبوچتا اور دوسرے کو فیصل۔ ابھی وہ دونوں ہاتھوں میں پستول تھام کر نشانہ لے رہے تھے کہ اچانک ان میں سے دو الگ ہو کر جھاڑیوں کی طرف مزید آگے چلے گئے۔ انہوں نے آپس میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور ایک ایک ہاتھ نیچے لڑھک گیا اگلے لمحے باقی بچنے والے دونوں فوجیوں کے دماغ میں سوراخ بن چکے تھے اور وہ تیزی سے نیچے کی طرف گرنے لگے۔

فراز اور کمانڈر دونوں تیزی سے آگے بڑھے اور ان دونوں کو تھام لیا کہیں گرنے کی آواز سے باقی دونوں ان کی طرف متوجہ نہ ہو جائیں، پھر انہوں نے جلدی سے ان کی وردی اتاری اور لباس پر پہن لی تاکہ دور سے کوئی انہیں جلدی سے پہنچان نہ لے اور فوجیوں کی لاشوں کو اچھی طرح چھپا دیا۔ ابھی وہ اس کام سے فارغ ہی نہ ہوئے تھے کہ انہیں آواز آئی:

''مسٹر یاہو! کہاں مر گئے ہو، ادھر آؤ واپسی چلیں!!!

انہوں نے ان کی طرف پشت برقرار رکھتے ہوئے دھیمی آواز سے کہا۔

''ادھر آنا ذرا..... یہاں کچھ ہے''

وہ دونوں پہلے تو ٹھٹکے اور پھر قریب آگئے فراز اور کمانڈر تیزی سے مڑے اور ان دونوں کو ہی منہ پر ہاتھ رکھ کر دبوچ لیا، ان دونوں سے فارغ

ہونے کے بعد وہ چھپ گئے اور سورج ڈھلنے کا انتظار کرنے لگے۔

جب سورج غروب ہوگیا تو انہوں نے جھاڑیوں کے اندر ہی بیٹھ کر نماز ادا کی اور اپنے مشن کی کامیابی کے لئے دعاء کی۔ جب اندھیرا اچھی طرح چھا گیا تو انہوں نے پہلے حالات کا اچھی طرح جائزہ لیا اور پھر قدم آگئے بڑھا دیئے۔

ان کا ہر اٹھنے والا قدم موت کے میدان کی طرف جارہا تھا۔ انہوں نے اپنے اسلحے پر گرفت مضبوط کی ہوئی تھی اور چاق و چوبند حالت میں آنے والی ہر مصیبت کے لئے مکمل طور پر تیار تھے۔

انہوں نے چہرے پر ماسک اچھی طرح چڑھایا اور گیٹ کی طرف بڑھ گئے۔ مرکزی گیٹ پر فوجیوں کا ایک ہجوم تھا۔ ان سب سے بیک وقت مقابلہ کرنا دشوار تھا۔ اس لیے وہ دونوں آپس میں گویا ہوئے۔

''اب کیا کیا جائے؟ مشن کی تکمیل چاہیے تو کم ازکم گیٹ پر اسلحے کا استعمال ہمارے لیے رکاوٹ پیدا کردے گا۔''

''ہونا کیا ہے؟ جس کام کے لئے آئے ہیں اس کی تکمیل کئے بغیر ہم ٹلنے کے تو نہیں چاہیے جتنی رکاوٹیں پیدا ہوجائیں''

کمانڈر عبدالشہید نے پرعزم لہجے میں کہا۔

''ہاں یہ تو ہے، یہ مادیت کا راگ الاپنے والے کب تک ٹکتے رہیں گے؟''

''میرے دماغ میں ایک صورت آرہی ہے''

فراز نے رازدارانہ انداز میں جواب دیتے ہوئے کہا۔

''وہ کیا ہے''

''تھوڑا پیچھے چلیں تفصیل سے بتاتا ہوں''

پھر وہ دونوں گیٹ سے دائیں جانب ذرا پیچھے ہٹ آئے..... نقشہ کھلا ہوا تھا اور دونوں اس پر جھکے ہوئے تھے، اسی دوران کمانڈر کی پیشانی سے پسینے کی دو بوندیں ٹپکیں۔

فراز سمجھ گیا کہ آئیڈیا کمانڈر کے ہاں درست نہیں، وہ چاہ رہا تھا کہ خفیہ راستے کو جس سے واپسی نکلنے کا منصوبہ بنایا تھا آزمائیں، وہ اس طرح کہ لیزر کرنوں کے ذریعے دروازہ توڑ کر اندر داخل ہوجائیں، مگر کمانڈر کی رائے یہ تھی کہ جب تک لیبارٹری کو بجلی فراہم کرنے والا توانائی سسٹم تباہ نہیں ہوجاتا ہمارے لیے کوئی مشکوک قدم اٹھانا خطرناک ثابت ہوسکتا ہے اور ہمارے مشن کے لئے رکاوٹ بھی بن سکتا ہے۔ اس لیے ہمیں کسی طرح سیدھے راستے داخل ہو کر جنریٹر ناکارہ بنانا ہوگا، پھر اگلا قدم آسانی سے اٹھاسکیں گے۔

فراز نے ایک سوال اور اٹھایا کہ خفیہ دروازے سے اندر داخل ہونے کے بعد باقی دو تین موڑ ہیں انہیں کراس کر کے ہم تہہ خانے کے منہ پر ہوں گے..... (بقیہ صفحہ نمبر 74)

ہاتھی کی آپ بیتی

عمار حسین

پیارے بچو! میں ایک بڑے ڈیل ڈول کا ہاتھی ہوں۔ میری سونڈ لمبی ہے لیکن یہ مت سمجھنا کہ میرا تعلق کسی جنگل یا چڑیا گھر سے تعلق ہے۔ میں اپنی عجیب وغریب کہانی آپ کو سنانے آیا ہوں۔

میری یہ کہانی خاصی پرانی ہے مگر آپ کو سنتے ہوئے نئی کہانی کی طرح ہی لطف آئے گا۔ امید ہے آپ اسے شوق سے سنیں گے۔ میری کہانی حبشہ افریقہ کے ایک ملک سے شروع ہوتی ہے جس کے جنگلوں کے اونچے اونچے درختوں کے درمیان میں آزاد پھرا کرتا تھا۔

ایک دن کی بات ہے کہ اچانک کچھ لوگوں نے مجھے رسوں میں جکڑ لیا اور شہر لے جا کر مجھے بادشاہ کے لشکر میں شامل کر دیا۔ لوگ میرا ڈیل ڈول دیکھ کر خوف کھاتے تھے اور جب میں چلتا تھا تو میرے قدموں کی آواز سے کانپ اٹھتے تھے کیونکہ جدھر میں چلتا، جو چیز میرے راستے میں آتی تھی روندی جاتی تھی۔ یہ میری ہی طاقت تھی اور میرا ہی رعب اور دبدبہ تھا جس کی بنا پر حبشہ والوں نے یمن (جنوبی عرب) پر قبضہ کر لیا میرے مالک کا نام ابرہہ تھا۔ اس نے مجھے اپنا خاص ہاتھی بنالیا۔ اگرچہ اس کے لشکر کے تمام ہاتھی ایک بڑی عبادت گاہ کی تعمیر کے لئے پتھر اور لکڑیاں لے جانے پر معمور تھے مگر نہ جانے کیوں ابرہہ نے اس کام پر مجھے نہ لگایا۔

ابرہہ مکہ میں موجود خانہ کعبہ سے زیادہ بڑی سطح پر یہ عبادت گاہ بنا رہا تھا تاکہ لوگ کعبہ کے بجائے اس کا طواف کریں۔ ابرہہ نے اس نئی عبادت گاہ پر سونے کے نقش نگار بنوائے تاکہ لوگ اس کی چمک دمک سے اس کی طرف کھنچے چلے آئیں اور بجائے خانہ کعبہ کے اس کا طواف کریں۔

ابرہہ حبشی تھا۔ اس کی زبان عربی نہیں تھی۔ وہ عرب کے لوگوں سے حسد کرتا تھا۔ اسے اپنے علاقے، اپنی حکومت اور اپنی طاقت پر ناز تھا۔ اس

کا خیال تھا کہ اس کے رعب اور دبدبے کی وجہ سے عرب کے بیشمار قبائل جو اس کی طاقت میں آنے کے برابر نہ تھے اس کی طرف رخ کریں گے مگر ایسا نہ ہوا۔لوگ پہلے کی طرح خانہ کعبہ کی زیارت اور طواف کو جاتے رہے اور جو خواب اس نے دیکھا تھا پورا نہ ہوا۔

ابرہہ کو اپنی اس ناکامی کا شدید رنج ہوا۔ اور اسے بے حد طیش آیا۔اس نے ارادہ کرلیا کہ وہ خانہ کعبہ کو گرادے گا۔اس کا خیال تھا کہ خانہ کعبہ کا وجود نہ رہے گا تو لوگ خود بخود سونے سے بنی ہوئی اس نئی عبادت گاہ کی طرف آنا شروع کر دیں گے۔اس لئے ابرہہ نے مکہ پر چڑھائی کے لئے ایک بہت بڑا لشکر تیار کیا،اس لشکر میں میں بھی شامل تھا۔

اور ظاہر ہے کہ میں اپنی حیثیت کے مطابق لشکر کے آگے آگے اپنے سوار ابرہہ کو لے کر چل رہا تھا اور ابرہہ یہ چاہتا تھا کہ میں اسے خانہ کعبہ تک لے جاؤں اور اپنے بھاری جسم سے خانہ کعبہ کو ڈھادوں۔جیسا کہ میں اس سے قبل ابرہ کے دشمنوں کے بے شمار گھروں کو ڈھا چکا تھا لیکن سچی بات تو یہ ہے کہ اس مرتبہ نہ جانے کیوں میرا دل ایسا کام کرنے کو نہ چاہتا تھا لیکن یہ بات میرے لیے ممکن نہ تھی کہ میں ان سے علیحدہ ہو جاؤں کیونکہ میں ابرہہ کے لشکر میں گھرا ہوا تھا اور آگے آگے چل رہا تھا۔

راستے میں لشکر والے مکہ اور مکہ والوں کی باتیں کر رہے تھے اور خانہ کعبہ کے متعلق کہانیاں سنا رہے تھے۔ان ہی لشکریوں کی زبانی مجھے معلوم ہوا کہ ایک نبی حضرت ابراہیمؑ تھے جنہوں نے اپنے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کے ساتھ اللہ کے حکم پر اس کو تعمیر کیا تھا۔ یہ دنیا میں اللہ کا پہلا گھر تھا۔حضرت ابراہیمؑ بہت فضیلت والے پیغمبر تھے۔ان کی نسبت کئی ان سنی ہوئی باتیں میں نے سنیں۔مثال کے طور پر یہ کہ ان کی قوم نے ان کو اس لئے آگ میں ڈال دیا تا کہ وہ ان کو ایک خدا کی عبادت کی دعوت دیتے تھے اور بتوں کی عبادت سے روکتے تھے مگر ایسا ہوا کہ اللہ کے حکم سے آگ نے آپ پر کوئی اثر نہ کیا اور آپ زندہ سلامت آگ سے نکل آتے۔

یہ باتیں سن کر یقین ہو گیا کہ کعبہ بھی نہایت بزرگی والی جگہ ہے۔مجھے لشکریوں کی زبانی یہ بھی پتا چلا کہ یہ کعبہ امن کا گھر ہے جو اس میں داخل ہوا اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔اس گھر میں بے شمار کبوتر آ کر بسیرا کرتے ہیں۔ادھر ادھر پھرتے ہیں مگر کوئی ان کے قریب جاتا ہے نہ ان کو نقصان پہنچاتا ہے۔لوگ اس گھر کا بہت خیال رکھتے ہیں۔اس میں عبادت کرتے ہیں اور انھیں اس سے بہت محبت ہے۔

راستے میں مجھے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مکہ والے میری آمد کی خبر سن کر بہت ڈر گئے ہیں کیونکہ انھیں پتہ ہے کہ میرے سامنے جو چیز آئے گی روندی جائے گی۔اب ہمارے اور خانہ کعبہ کے درمیان صرف ایک رات کی مسافت رہ گئی تھی اس

کے بعد کعبہ ہوتا اور مکہ اور وہاں کی ہر چیز تباہ و برباد ہو جاتی مگر مکہ والوں کے پاس کوئی لشکر نہ تھا جو ہمارا راستہ روک سکتا۔ اس لئے کعبہ اور مکہ کے بچنے کی کوئی امید نہیں تھی۔ لشکر میں موجود ہر شخص میری طرف فخر سے دیکھتا اور یہ کہتا، اے بہادر ہاتھی! آگے بڑھتا جا! اے ابرہہ کے ہاتھی! تیز تیز چل! تا کہ ہم جلد مکہ پہنچیں اور کعبہ کو ڈھا دیں!

مکہ کے باہر ہمارے لشکر نے مکہ والوں کے بہت سے اونٹ پکڑ لیئے۔ ابھی ہم حرم میں داخل نہ ہوئے تھے کہ مکہ کے سردار عبدالمطلب میرے سردار ابرہہ کے پاس آئے اور ان سے اونٹوں کی واپسی کا مطالبہ کیا۔

ابرہہ نے کہا حیرت کی بات ہے کہ تمہیں اپنے اونٹوں کی فکر ہے۔ مگر اس گھر کی کوئی پرواہ نہیں جس کی وجہ سے تم لوگوں کو دنیا میں اتنی عزت ملی ہے۔

عبدالمطلب نے جواب دیا، اونٹ میرے ہیں اور گھر اللہ کا ہے وہ اپنے گھر کو خود بچائے گا۔

عجیب بات ہے کہ جب عبدالمطلب کا یہ جواب میں نے سنا تو میرا وجود کانپنے لگا۔ میں نے ایک عجیب سی تھکاوٹ محسوس کی۔ ایسا لگا کہ میرے قدم آگے نہیں بڑھ پا رہے۔

کیا دیکھتا ہوں کہ سب ہی کا یہی حال ہے لشکر کے دوسرے ہاتھی گھوڑے، اونٹ اور تمام لشکری اسی کیفیت میں ہیں۔ ہر ایک اپنی جگہ پر گم صم کھڑا ہے۔ ایسا لگتا تھا کہ ہر ایک کے پاؤں زمین میں دھنس گئے ہیں کسی ایک میں بھی کعبہ کی طرف قدم بڑھانے کی سکت نہ رہی تھی۔

میرا سردار ابرہہ بھی اس صورت حال سے بہت گھبرا گیا۔ مگر اس نے پھر بھی یہ کوشش کی کہ میں کسی طرح آگے بڑھوں۔ اس نے مجھے پیچھے سے دائیں سے بائیں سے آگے چلنے کیلئے دھکا دلوایا۔ حتیٰ کہ جلتی ہوئی لکڑی میرے جسم پر لگائی لیکن جوں ہی میرا رخ کعبہ کی طرف ہوتا میں بالکل ساکت ہو جاتا۔

میں نے دل میں فیصلہ کر لیا تھا کہ میرے ساتھ کچھ بھی ہو اب میں نہ آگے بڑھوں گا اور نہ کعبہ کو نقصان پہنچاؤں گا۔

ادھر اب وہ پکا ارادہ کر چکا تھا کہ جب تک میں خانہ کعبہ کو تباہ کر دوں اور مکہ والوں کو بھگا نہ دوں وہ واپس نہیں لوٹے گا۔

اچانک ایک عجیب و غریب واقعہ پیش آیا۔ میں کیا دیکھتا ہوں کہ بے شمار چھوٹے چھوٹے پرندے ہمارے اوپر آگئے اور آسمان ہم سے چھپ گیا۔ ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا چھا گیا۔ ایسا لگتا تھا جیسے میں ایک ڈراؤنا خواب دیکھ رہا ہوں۔

اسی لمحے مجھے لشکریوں کی چیخ و پکار کی آوازیں آنے لگیں۔ وہ کہہ رہے تھے۔

”ارے! یہ تو ابابیلیں ہیں جو ہم پر چھوٹی چھوٹی کنکریاں پھینک رہی ہیں“

جسے کنکری لگتی وہ وہیں ڈھیر ہو جاتا۔ دیکھتے

ہی دیکھتے بے شمار ہاتھی، گھوڑے اونٹ اور لشکری گرنے لگے جس پر کنکری گئی وہ نہ بچا۔ میں یہ منظر دیکھ کر بہت ہی خوف زدہ ہوا۔ زندگی میں، میں نے ایسا ہولناک منظر کبھی نہ دیکھا تھا۔

اب میں کیا دیکھتا ہوں کہ یکا یک ایک نور زمین و آسمان کے درمیان پھیلتا جا رہا ہے اور اس نے خانہ کعبہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔

آناً فاناً ابرہہ کا لشکر تباہ ہوگیا۔ مجھے دور سے عبدالمطلب سردار مکہ نظر آئے جنہیں مکہ والے مبارک باد دے رہے تھے خانہ کعبہ اپنی جگہ پر صحیح و سالم موجود تھا اور جو اسے مٹانے آیا تھا وہ خود مٹ گیا۔

پھر میں نے عبدالمطلب کو اپنے ساتھیوں سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ انھوں نے خواب میں دیکھا تھا کہ ایک چاندی کی زنجیر ہے جو ان کی پشت سے ظاہر ہوئی اس کا ایک سرا زمین پر اور دوسرا آسمان پر تھا۔ تھوڑی دیر بعد ایسا محسوس ہوا کہ اس زنجیر نے درخت کی شکل اختیار کرلی ہے جس کے تمام پتے نور کے ہیں اور ہر پتے سے انسان پھوٹے ہوئے ہیں۔

کچھ بوڑھوں نے عبدالمطلب کے خواب کی یہ تعبیر بتائی کہ ان کے بیٹے عبداللہ کو اللہ تعالیٰ ایک ایسا فرزند عطا کرے گا جس کے ماننے والے دنیا کے کونے کونے میں پھیلے ہوئے ہوں گے۔

اس تعبیر پر اہل مکہ عبدالمطلب کو مبارک باد دے رہے تھے کچھ لوگوں نے ان سے پوچھا کہ عبداللہ کے گھر آنے والے بچہ کا آپ کیا نام رکھیں گے۔ عبدالمطلب نے جواب دیا کہ میں اس کا نام "محمد" رکھوں گا تاکہ زمین و آسمان کی تمام مخلوق ان کی خوبیاں بیان کرتی رہے۔

مجھ عظیم ہاتھی کی کہانی کا انجام یہ تھا کہ میرے ساتھ ابرہہ اور اس کا زبردست لشکر سب ہی مٹ گئے اور ہمارے مٹنے کے تھوڑے ہی دنوں بعد اس دنیا میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔

مکہ بھی باقی ہے اور اللہ کا گھر بھی اور تاقیامت اسی طرح قائم و دائم رہے گا۔ دنیا میں مسلمان جہاں کہیں ہوں اس کی طرف دن میں پانچ مرتبہ منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں۔ لاکھوں مسلمان حج کے لئے یہاں آتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے میرے اس واقعہ کا ذکر اس طرح کیا ہے۔

"اے نبی! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا۔

کیا اللہ نے ان کی چال کو ناکام نہیں کر دیا؟

ان کے اوپر اللہ نے ابابیلوں کے جھنڈ کے جھنڈ بھیجے جو ان پر چھوٹی چھوٹی کنکریاں برسا رہے تھے اور انہیں کھائے ہوئے بھوسے کی طرح کر دیا۔"

☆.....☆.....☆

بلا عنوان

ناجیہ شعیب احمد کراچی

"آہا! کیک کا پیس...!"

"اے پیچھے ہٹو! پہلے میں نے دیکھا اس لیے اس پر پہلا حق میرا ہے۔"

"ارے جاؤ! یہ دھونس کسی اور پر جماؤ! میں تمہیں ہرگز نہیں دینے والا۔"

"آہ...! اُو...! میری ٹانگ"

"افف...! میرا سر...!"

"ڈورا! بلکی! گگو! کیا ہو رہا ہے یہاں پر؟"

"ادھر دو!" ڈورا نے کیک کا ٹکڑا اپنی طرف گھسیٹنا چاہا تو بلکی نے زور لگا کر اپنی طرف کھینچتے ہوئے کہا۔

"نہیں دوں گا یہ کیک میرا ہے"

"اوہ بلکی ڈورا! تم دونوں کیسے بندروں کی طرح لڑ رہے ہو؟"

"حد ہوگئی ایک کیک کے پیس کے پیچھے اتنی خواری۔ مجھے نہیں چاہیے۔"

"گگو! یہ بلکی بالکل بندروں کی طرح جھگڑتا ہے، بندر کہیں کا نہ ہو"

"اے ڈورا کی بچی! مجھے بندر نہیں کہنا۔"

"کیوں؟ کیوں؟ ہم تو کہیں گے بندر کہیں کے۔"

ڈورا گگو اور اینڈی چڑاتے ہوئے بولنا شروع ہوگئے اور بلکی طیش میں آ کر ان پر حملہ کرنے کے ارادے سے آگے بڑھا ہی تھا کہ میجر ٹونگی

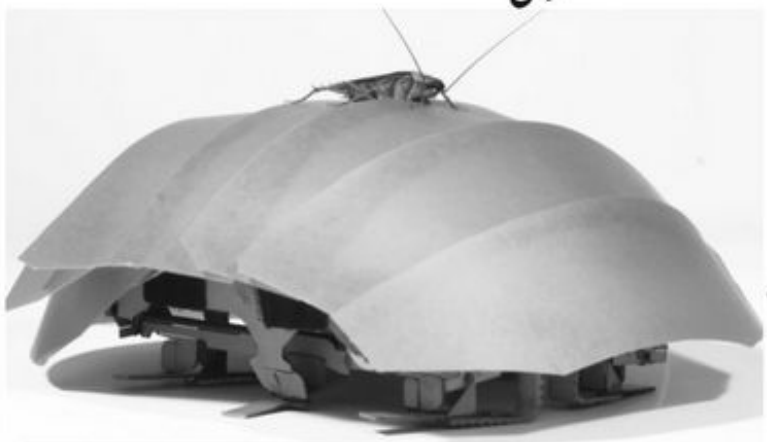

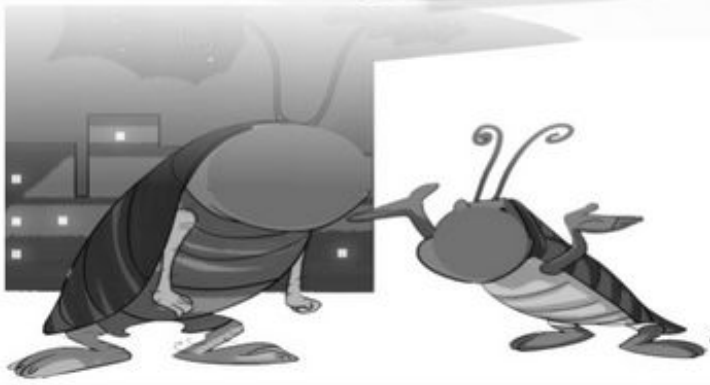

نے سیٹی بجا کر انہیں ہوشیار کیا۔

"خبردار! جو آئندہ آپس میں لڑے! یہ نہ بھولو کہ ہم کئی سال گٹروں، نالیوں میں چھپ کر منصوبہ بندی کرتے رہے ہیں۔ بڑی مشقتیں اٹھا کر، لمبی مسافتیں طے کر کے بالآخر انسانوں کے گھروں میں داخل ہونے میں کامیاب ہو ہی گئے۔ اب ہمیں بہت حکمت کے ساتھ متحد ہو کر کام کرنا ہے۔ کیا سمجھے؟ چلو رات ہوتے ہی پوری کالونی کے کونے کھدروں میں پھیلنے کی تیاری پکڑو!"

کاکروچ فورس کا کمانڈر ٹونگی اپنی مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے بولا۔

❁❁❁

یہ مانی اور سونو کا گھر تھا۔ جہاں اب کاکروچ کا راج تھا۔ عرصۂ دراز سے اس گھر میں صفائی کا بالکل بھی خیال نہیں رکھا جا رہا تھا جبھی وہاں باورچی خانے کی دیواروں کے سیلن زدہ کونے کھدروں میں کاکروچ کو تیزی سے پھلنے پھولنے کے مواقع میسر آتے گئے ایک سے دو اور دو سے سیکڑوں جنم لیتے چلے گئے۔

مانی اور سونو کے گھر والوں کو رزق کی فراوانی اور گھریلو خوشحالی پر ہمہ وقت شکر گزار ہونے کے ساتھ صفائی ستھرائی کا خاص اہتمام رکھنا چاہیے تھا مگر وہ رزق کی بے حرمتی اور نعمتوں کی ناقدری کے گناہ میں مبتلا ہو گئے تھے۔ ذرا سی خراب چیز کچرے دان کی نظر کر دیتے۔

صفائی نصف ایمان ہے مگر یہاں کھانے کے جھوٹے برتن سنک میں پڑے رہتے۔ فریج میں چیزیں ہفتوں مہینوں تک رکھی پڑی سڑتی رہتیں اور پھر سیدھا کچرے دان میں جاتیں کچرے دان سے بدبو کے بھبکے اٹھتے رہتے، باورچی خانے کی نالیوں میں چکنائی کچرا اور بیت الخلاء کی نالیوں میں گندگی جمع ہو کر حشرات الارض کو پنپنے کا موقع ملتا چلا گیا۔

بس پھر کیا تھا ایک ادنیٰ سی مخلوق کاکروچ اشرف المخلوقات پر مسلط کر دیئے گئے۔

❁❁❁

کوپن برائے "وہ کون تھا؟"

نام: .....

ولدیت: .....

مکمل ایڈریس: .....

تعلیم: .....

جواب: .....

ہدایات: (انعام بذریعہ قرعہ اندازی دیا جائے گا اور ایک کوپن ایک ہی ساتھی کی طرف سے قبول کیا جائے گا اور جواب بغیر کوپن کے قبول نہیں کیا جائے گا)

جنگل میں جلسہ

ایم تجمل بیگ

جنگل میں آج صبح صبح ہی ''نگار'' بجنا شروع ہوگیا تھا۔ سارے جانور جنگل کے بادشاہ (شیر) کے گھر کے سامنے جمع ہونے کے لیے اپنے اپنے گھروں سے چل پڑے تھے۔

خرگوش نے گاجر اٹھا کر اسے اچھے سے صاف کی اور اپنے بچے منّو کو پکڑا کر اسے گھر میں ہی رہنے کی نصیحت کرتا ہوا باہر نکل آیا۔

خرگوش باہر نکلا تو کیا دیکھتا ہے کہ کچھوا بھی اپنے بیٹے کو کچھ نصیحت کر رہا ہے۔ خرگوش نے کان لگا کر سنا تو وہ کہہ رہا تھا کہ بیٹا ہمارا اور میاں خرگوش کا گھر قریب ہی ہے، وہ بہت اچھا پڑوسی ہے اکثر خبر گیری کے لیے بھی آتا رہتا ہے اگر اس کا بچہ کھیلتا ہوا ادھر آجائے تو اسے کچھ نا کہنا بلکہ مل کر کھیلنا کیونکہ جو مل کر رہتا ہے وہ خوش حال رہتا ہے اس پر کبھی کوئی آفت وارد نہیں ہوتی۔

خرگوش نے کچھوے کی باتیں سنیں تو اسے کچھ دن پہلے کا واقعہ یاد آگیا جب اس نے کچھوے کو دوڑ کے لیے للکارا تھا اور پھر ہار بھی گیا تھا۔ خرگوش اس کو یاد کر کے کچھ شرمندہ سا ہوا اور میدان کی جانب چل نکلا۔

خرگوش تیزی سے جنگل کی جانب بڑھتا جا رہا تھا۔ راستے میں اس نے ہرن، کینگرو اور کچھوے کے سوا کسی کو نہیں دیکھا، کچھ ہی دیر میں وہ میدان میں پہنچ گیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ ایک بڑے سے سٹیج پر ایک بہت بڑی خوبصورت کرسی کے دائیں اور بائیں جانب دو دو کرسیاں مزید لگی ہوئی ہیں۔ ایک بندر دائیں جانب اور ایک بائیں جانب نیزہ لیے بطور حفاظت کھڑے چوکیدار کے فرائض سر انجام دے

رہے ہیں۔سٹیج کے سامنے چھوٹی چھوٹی کرسیوں پر بہت سے جانور بیٹھے آپس میں چہ میگوئیاں کر رہے ہیں۔خرگوش بھی چلتا ہوا وہیں پہنچ گیا اور بھالو کے ساتھ والی خالی کرسی پر براجمان ہوگیا۔

''بھالو میاں! کیسے ہو؟''

''الحمدللہ تم سناؤ خرگوش میاں؟''

''میں بھی ٹھیک ہوں۔''

''بھالو میاں! کچھ خبر بھی ہے کہ یہ اجلاس کیوں کر طلب ہوا؟''

''خرگوش میاں! کیا جانوں اس اجلاس کے متعلق مجھے اپنے بارے میں سوچنے سے فرصت ملے تو کچھ اور سوچوں۔''

''ہوووووں۔۔ بات تو ٹھیک کر رہے ہو بھالو میاں!''

''چلو کوئی بات نہیں کچھ ہی لمحوں میں ہم جان لینگے'' یہ کہہ کر خرگوش خاموش ہو کر بیٹھ گیا۔

کچھ ہی دیر گزری تھی کہ ٹائیگر جو کہ وزیر دفاع تھا اور میاں ہاتھی جو کہ بادشاہ کا خاص وزیر تھا بادشاہ کی کرسی کے دائیں جانب لگی کرسیوں پر آ کر براجمان ہو گئے۔ان کے متصل بعد بادشاہ کا مقرر کیا ہوا اس سلطنت کا وزیر خزانہ جناب وائٹ بھیڑیا صاحب بائیں جانب کی ایک کرسی پر تشریف فرما ہو گئے۔

''السلام علیکم! ہاتھی اور چیتے میاں! کیسے مزاج ہیں؟''

''وعلیکم السلام! الحمدللہ جناب بھیڑیا صاحب! کرم ہے خالق کُل کا جس نے ہمیں پیدا کیا آپ سنائیں کیسے حال واحوال ہیں؟ سلطنت کے خزانے کیسے ہیں وافر مقدار میں ہیں یا اس سردیوں میں کچھ تنگی ہوگی؟''

''میں بھی ٹھیک ہوں الحمدللہ، رہی خزانوں کی بات تو ہمیں اپنی اپنی ذمہ داریوں کو اچھے سے پورا کرنا ہوگا امید ہے کہ ہم اچھے سے سردیاں گزار سکیں گے.....''

''باادب ہوشیار!

بادشاہ سلامت تشریف لا رہے ہیں''

لومڑی صاحبہ جو بادشاہ کی جاسوسہ تھی اور جس سے بادشاہ ہر کام سے پہلے مشورہ کیا کرتا تھا۔بادشاہ کے آگے آگے چلتے ہوئے مجمعے کو خبردار کر رہی تھی۔

ایک دم فضاء میں سناٹا چھا گیا۔وائٹ بھیڑیے کی بات بھی درمیاں میں ہی رہ گئی۔

بادشاہ آ کر کرسی پر بیٹھا تو ساتھ بائیں جانب خالی کرسی لومڑی نے سنبھال لی۔

کچھ دیر فضاء میں اک بوجھل سا سکوت رہا پھر سب سے پہلے وزیر دفاع ٹائیگر نے تقریر کی جس کا ماحاصل یہ تھا کہ اگر کبھی جنگ چھڑ گئی تو عوام الناس کو سرحدی فوج کا بھرپور ساتھ دینا ہوگا،اگر وہ ساتھ دے گی تو ہم دشمنوں کو ناکوں چنیں چبوائیں گے اور فاتح بن کر ان کے ملک کو بھی اپنا ملک بنائیں گے۔ٹائیگر کی بات پر سارے مجمعے نے لبیک کہا تھا اور ٹائیگر تالیوں کی گونج میں واپس اپنی سیٹ پر آ کر بیٹھ گیا تھا۔

ٹائیگر کے بعد محترم جناب وائٹ بھیڑیے

صاحب نے مائک سنبھال لیا اور گویا ہوا۔

''اے میرے وطن کے پیارے لوگو! آپ بہت قابل فخر لوگ ہیں آپ کی بدولت سلطنت کے خزانے بھرے ہوئے ہیں لیکن.....''

لیکن کہہ کر بھیڑیا کچھ دیر خاموش ہوا تو مجمعے میں دوبارہ چہ میگوئیاں شروع ہوگئیں، سارے بھانت بھانت کی بولیاں بولنے لگے، اچانک بہت زیادہ شوروغوغا پھیل گیا۔

''خاموش! خاموش! پلیز! خاموش ہو جائیے!''

بھیڑیے نے دوبارہ بولنا شروع کیا۔

''تو میں کہہ رہا تھا کہ ہمارے پاس کافی خزانہ موجود ہے لیکن اس کے برعکس ہمیں بہت احتیاط اور میانہ روی سے چلنا ہوگا جیسا کہ ٹائیگر میاں نے کہا ہے کہ پڑوسی ملک سے جنگ کا بھی خدشہ ہے تو اسی صورتحال کو مدنظر رکھتے ہوئے ہمیں اپنے خزانوں کو مزید بڑھانے کی ضرورت ہے تاکہ جنگ کے دنوں میں مشقت نہ اٹھانی پڑے۔

اب میں مائیک ہمارے عزت مآب، معزز و مکرم، اس سلطنت کی رونق جناب ببر شیر کے حوالے کرتا ہوں تاکہ وہ ہمیں اپنی قیمتی آراء و باتوں سے مستفید کریں۔''

یہ کہتے ہوئے بھیڑیے نے مائیک بادشاہ کو پکڑا دیا.....

بادشاہ نے مائیک کو چیک کیا اور گلا کھنکار کر گویا ہوا.....

''میری معزز و مکرم رعایا امید واثق ہے کہ آپ خوش و خرم زندگی بسر کر رہے ہونگے، آپ کو جنگل کے قانونوں پر عمل کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی ہوگی۔''

''جی ہاں! ہمیں کوئی تنگی نہیں کوئی پریشانی نہیں''، مجمعے نے یک زباں ہو کر جواب دیا۔

بادشاہ دوبارہ گویا ہوا کہ.....

''میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ ایک مستحکم سلطنت میں سب سے اہم کردار رعایا کا ہوتا ہے۔ جس کی بدولت یہ سلطنت پروان چڑھتی ہے اگر رعایا سلطنتی احکام کو بخوشی قبول کرتی ہے تو سلطنت پھلتی پھولتی ہے لیکن اس کے برعکس سلطنتیں تباہ و برباد ہو جاتی ہیں۔

دوسری بات یہ کہ ابھی کچھ دیر قبل ہمیں اپنے جاسوسوں سے خبر موصول ہوئی ہے کہ پڑوسی ملک کا بادشاہ ہم سے جنگ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے، وہ اپنی فوج کے بل بوتے پر بڑے بڑے دعوے کر رہا ہے لیکن اسے معلوم نہیں ہے کہ ہماری بہادر افواج کے جوان کئی مرتبہ ان کا غرور خاک میں ملا چکے ہیں اس مرتبہ بھی اگر انہوں نے جنگ جیسی جسارت کی تو انہیں مٹی میں ملا کر رکھ دیں گے۔ بس یہیں چند باتیں تھیں جو آپ کی گوش گزار کرنی تھیں اور یہی آج کے جلسے کا مقصد تھا۔

مجھے امید ہے کہ آپ سلطنت کے خزانوں کو بھی بھریں گے اور اپنی فوج کے بھی شانہ بشانہ قدم بڑھائیں گے''

یہ کہہ کر شیر نے مائیک میز پر رکھ دیا اور فضا تالیوں سے گونج اٹھی۔

محمد بن طلحہ السیف

حضرت سمیہ بنت خباط رضی اللہ عنہا

خاندان یاسری

اس عظیم خاندان نے صبر اور جہاد کی تمام خوبیوں کو اپنے اندر جمع کیا تھا اور اس کے فضائل (خوبیاں) خوشبو بن کر مہکے تو یہ خاندان ایمان کی سچائی اور اللہ سے کیے ہوئے عہد کے ایفاء میں ضرب المثل بن گیا۔

یہ خاندان مختلف جگہوں سے آیا تھا لیکن امن کے اس شہر جہاں سے روشنی طلوع ہونے والی تھی ''مکہ'' میں آ کر مقیم ہوا اور یہیں سے خاندان یاسری کی ابتداء ہوئی۔

اس خاندان کے سربراہ عمار بن یاسر بن عامر بن مالک دراصل یمن سے تعلق رکھتے تھے اور اپنے بھائی کو دوسرے بھائیوں کے ساتھ ڈھونڈنے آئے تھے۔ان کے بھائی حارث اور مالک تھے یہ دونوں تو یمن لوٹ گئے لیکن یاسر کو یہ جگہ اچھی لگی اور وہ یہیں ٹھہر گئے۔وہ یہاں ابوحذیفہ بن مغیرہ بن عبداللہ مخزومی کے حلیف بن گئے اور ابوحذیفہ نے اپنی باندی حضرت سمیہ بن خباط رضی اللہ عنہا سے ان کا نکاح کر دیا، جن سے عمار پیدا ہوئے تو ابوحذیفہ نے انہیں آزاد قرار دے دیا اور یاسر اور عمار ابوحذیفہ کے ساتھ ہی رہے یہاں تک کہ ابوحذیفہ کا انتقال ہو گیا۔

عمار کے دو بھائی اور بھی تھے۔عبداللہ اور حریث ان میں سے حریث زمانہ جاہلیت میں قتل ہو گئے تھے۔اس کے بعد یہ خاندان جو جہاد اور قربانی کے رنگوں میں رنگ گیا اور اسلام کے طلوع سے تاریخ رقم کی، آج تک روشنی پھیلا رہا ہے اور اس کی برکت آخری زمانہ تک جاری رہے گی۔

پہلے اسلام لانے والے

جونہی مکہ نور اسلام سے چمکا، خاندان یاسری اپنے سب ارکان کے ساتھ اللہ پر ایمان لانے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق کرنے میں بازی لے گیا اور جس دم انہوں نے اسلام کا اعلان کیا تو تاریخ نے انہیں یادگار بنا دیا اور ان کے لیے

ذہنوں اور دلوں میں ہمیشہ کے لیے بقاء لکھ دی۔

ہمارے ان صفحات کی مہمان مجاہدہ" حضرت سمیہ بن خباط رضی اللہ عنہا" ایک باندی تھیں لیکن ان کی شان صرف اپنے آقا کی خدمت کی حد تک ہی نہیں بلکہ تمام مکہ والوں میں بیان کی جاسکتی ہے۔ یہ ایک عمر رسیدہ خاتون تھیں لیکن ان کی عقل قابل رشک تھی اور ان کا دل روشنی اور چستی کے ساتھ دھڑکتا تھا۔

حضرت سمیہ بن خباط رضی اللہ عنہا اسلام لائیں اور نبی کریم ﷺ کی تصدیق کی اور سیدھے راستے پر گامزن ہوگئیں اور بزرگی اور ہمیشہ کی جنت کی حقدار ٹھہریں اور وہ جیسا کہ امام ذہبیؒ نے فرمایا:

وہ بڑی صحابیات میں سے تھیں۔ حضرت سمیہ بن خباط رضی اللہ عنہا کا امر ہو جانے والوں میں لکھ دیا گیا اور اب جب بھی ابتداء اسلام میں صبر اور جدو جہد کا ذکر آتا ہے تو ان کا نام سرفہرست چمکتا نظر آتا ہے، جو خوشبو کی طرح مہکتا ہوا اور صبر کی یاد دلاتا اور ہمیشہ کی جنت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

سات میں سے ایک

اس جلیل القدر صاحبہ صبر صحابیہ کی اہم باتوں سے ایک بات ان کا فوراً اسلام لانا ہے یہ اس پہلی جماعت میں شامل تھیں جن کے دلوں میں اسلام آیا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کا اللہ تعالیٰ پر اتنا پختہ یقین اور ایمان تھا کہ اس کی وجہ سے یہ مطلع نور مکہ میں بے نیاز اور صابر خاتون بن گئیں تھیں۔

بلکہ یہ (خاندان نبوت کے علاوہ) پہلی خاتون تھیں جنہوں نے اپنا اسلام ظاہر کیا اور یہ ان پہلے سات افراد میں شامل ہیں (جنہوں نے شروع میں ہی اسلام قبول کرلیا تھا)

امام ذہبیؒ نے ایمان لانے والوں کی پہلی فہرست دی ہے اور اس میں حضرت سمیہ بن خباط رضی اللہ عنہا شامل ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود نے روایت کی ہے کہ جنہوں نے سب سے پہلے اپنا اسلام ظاہر کیا وہ سات افراد تھے۔ حضرت ابوبکر، عمار، سمیہ، یاسر، صہیب، بلال اور مقداد رضی اللہ عنہم۔

اللہ تعالیٰ نے رسول ﷺ کا دفاع ان کے چچا اور حضرت ابوبکر کا دفاع ان کی قوم سے کرایا اور ان سب لوگوں کو مشرکین نے لوہے کے لباس پہنائے، دھوپ میں کھڑا کیا اور ان سب میں حضرت بلال پر اللہ تعالیٰ نے یہ سب کچھ آسان فرمادیا۔ انہوں نے اپنے نفس کو اللہ کے لیے مطیع بنادیا اور ان کی قوم نے ان کو بہت ستایا کہ دو لڑکے انہیں مکہ کی گلیوں میں گھسیٹتے پھرتے اور یہ صرف "احد، احد" کہا کرتے اور یہیں سے اس خاندان پر تکالیف کا دور شروع ہوا۔

یہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور اللہ تعالیٰ نے اس وقت انہیں ہدایت اور تعلق مع اللہ پر تقویت عطا فرمائی تو اس خاندان نے کہا کہ ہمارا رب آسمانوں اور زمین کا رب ہے، اس خاندان میں پیش پیش حضرت سمیہ بن خباط رضی اللہ عنہا تھیں۔

قریش کا غصہ وغضب روز بروز بڑھتا گیا اور انہیں کوئی نہیں ملتا تھا جس پر غصہ اتاریں۔ سوائے ان ضعفاء کے جو کہتے کہ ہمارا رب اللہ تعالیٰ ہے اور اس پر قائم رہتے اور رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرتے۔

اور قریش کو اس بات نے اور بہادر بنا دیا تھا کہ ان کمزوروں کی حمایت اور دفاع کرنے والا کوئی نہیں تھا تو وہ مختلف طریقوں سے تکالیف پہنچانے لگے جو اسلام کی وجہ سے ان کے دلی غصہ اور کینہ پر دلالت کرتے تھے تو انہوں نے اپنے جنونی غصہ کا غبار حضرت سمیہ بن خباط رضی اللہ عنہا اور ان کے خاندان پر ظلم کر کے اتارا۔

علامہ ابن اثیرؒ نے ''اسد الغابہ'' میں لکھا ہے کہ حضرت سمیہ بن خباط رضی اللہ عنہا پہلے اسلام لانے والوں میں سے ہیں اور انہیں اللہ کے راستہ میں شدید تکالیف دی گئیں۔

صبر کرنے والا خاندان

کسی انسان کی طاقت نہیں کہ وہ خاندان یاسری کے تعجب انگیز کردار کے سامنے کھڑا ہو سکے۔ یہ وہ خاندان ہے جنہوں نے ہر مشکل کا جواں مردی سے مقابلہ کیا اور مکہ کے سرداروں اور امراء کو مبہوت کر دیا اور بردباروں کو ان کی کینچلیوں سے نکال باہر کیا، مکہ کے کفار تو انہیں مطمئن اور راسخ دیکھ گویا غصہ سے پھٹے جاتے تھے۔

انہیں تکالیف بھاگنے پر مجبور نہیں کر سکتی تھیں اور نہ ہی انہیں تھکاوٹ، گرمی اور پیاس ان کے عقیدے سے ہٹا سکتی تھی، ان کا یہی کردار مشرکین مکہ کو مشتعل کر دیتا تھا اور ان کا غصہ اور تکالیف دینا بڑھتا جاتا، تو وہ حضرت عمار، ان کے والدین کو کھلے میدان میں لا کر سخت دھوپ میں بٹھا دیتے تا کہ وہ اپنے دین کو چھوڑ دیں، لیکن یہ صبر کرنے والا خاندان اپنے موقف میں مزید سخت ہو جاتا اور ان کا ایمان اور یقین مزید پختہ ہو جاتا۔

خصوصاً اس وقت جب وہ نبی اکرم ﷺ کی اس پورے خاندان کے لیے مغفرت کی دعائیں سنتے۔ اس دعا کو سالم بن ابی الجعد نے روایت کیا ہے۔

حضرت عثمان نے چند اصحاب نبی ﷺ کو بلایا۔ ان میں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ حضرت عثمان نے فرمایا کہ میں آپ لوگوں کو عمار کے بارے میں ایک حدیث سناتا ہوں۔

میں اور نبی کریم ﷺ بطحا کے مقام پر آئے اور وہاں عمار اور ان کے والد یاسر اور والدہ سمیہؓ کے پاس سے گزرے تو ان کو تکالیف دی جا رہی تھیں تو یاسر نے آپ ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ کیا زمانہ ایسا ہی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''صبر کرو!'' پھر فرمایا کہ ''اے اللہ! آل یاسر کی مغفرت فرما اور جو کہ تو کر ہی چکا ہے۔''

حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کا چیلنج

قریش نے حضرت سمیہ بن خباط رضی اللہ عنہا ان کے بیٹے اور شوہر کو سخت تکالیف پہنچائیں اور مبارک خاندان یاسری نے صبر اور ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا، خاص طور سے حضرت سمیہؓ نے، جن کا عقیدہ ان

کے شوہر کی تکالیف کی وجہ سے وفات کے بعد اور مضبوط ہوگیا تھا۔

اس وقت حضرت سمیہ بن خباط رضی اللہ عنہا نے مقابلہ کا چیلنج دے دیا اور بنو مغیرہ مغزومی نے اسے قبول کرلیا اور ان میں سرفہرست ابوجہل تھا جو حضرت سمیہ بن خباط رضی اللہ عنہا کی مقابلہ آرائی سے دیوانہ ہوگیا تھا اور حضرت سمیہ بن خباط رضی اللہ عنہا نے اس کی بڑائی کو چوراچور اور شیخی کو اپنے صبر اور ثابت قدمی کے ساتھ پارہ پارہ کردیا تھا اور اس کے دل کو، آنحضرت ﷺ کے بارے میں برا کلمہ نہ کہہ کر پارا پارا کردیا تھا۔

ابوجہل اللہ تعالیٰ کے راستہ سے روکنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتا تھا اسے جو طریقہ یا راستہ بھی ملتا وہ اسے استعمال کرتا تھا۔ اس بات کی ابن اسحاق نے تصویر پیش کی ہے۔ کہتے ہیں:

"ابوجہل قریش کے لوگوں میں بڑا تیز طرار تھا، اگر وہ سن لیتا کہ کسی نے اسلام قبول کرکے شرف ومنزلت حاصل کی ہے تو وہ اسے ملامت کرتا اور رسوا کرتا اور کہتا کہ تو نے اپنے باپ کا دین چھوڑ دیا ہے۔ حالانکہ وہ تجھ سے اچھا تھا۔ اب ہم تیری عقل کو بگاڑ دیں گے اور تیری عزت کو گرادیں گے اور اگر مسلمان شخص تاجر ہوتا تو اسے کہتا کہ ہم تیری تجارت کو خراب اور تیرے مال کو ہلاک کردیں گے اور اگر وہ شخص کمزور ہوتا تو اسے مارتا اور لالچ دیتا۔" (اللہ اس پر لعنت کرے اور برا کرے۔)

یہ معزز صحابیہ حضرت سمیہ بن خباط رضی اللہ عنہا سختیاں جھیلتی رہیں اور بہادری کے ساتھ ابوجہل کے ظلم وستم برداشت کرتی رہیں اور نہ تو اپنا مذہب بدلا اور نہ ہی ان کا عزم کمزور ہوا اور نہ ہی ان کا ایمان کمزور ہوا، جس نے حضرت سمیہ بن خباط رضی اللہ عنہا کو ہمیشہ کی زندگی پانے والی خواتین میں شامل کردیا تھا بلکہ ان کو صبر کرنے والی خواتین میں سرفہرست کردیا تھا۔

اسلام کی پہلی شہید خاتون

جس طرح حضرت سمیہ بن خباط رضی اللہ عنہا کا اعزاز ہے کہ وہ اسلام ظاہر کرنے والی پہلی خاتون ہیں اسی طرح یہ اعزاز بھی انہیں حاصل ہے کہ وہ پہلی خاتون شہید اسلام بھی ہیں۔ یہ راہ حق کی شہید تھیں اور انہوں نے زمانے کو صبر کی حقیقت سکھلائی۔ ان کی شہادت کے قصہ میں بڑی عبرت ہے ہر وہ شخص جو اہل دل ہو یا اس بات کو غور سے سنے وہ اس کی المناکی کا اندازہ کرسکتا ہے وہ قصہ یہ ہے:

جب ان کے شوہر یاسرؓ سختیاں جھیلتے ہوئے اللہ کو پیارے ہوئے گئے تو ابوجہل کے چچا ابوحذیفہ بن مغیرہ نے حضرت سمیہ بن خباط رضی اللہ عنہا کو ظالم ابوجہل کے حوالے کردیا اور یہ انہیں مختلف طریقوں سے اذیتیں دینے لگا اور آپ ﷺ کو اپنی باتوں اور گالیوں سے ایذا پہنچاتا۔

(بقیہ صفحہ نمبر 82)

مصلحت خدا

ماریہ کلثوم

"دے دے بابا!
اللہ کے نام پہ دے دے بابا!" فقیر نے زور سے صدا لگائی۔

رحمدل بادشاہ جو اپنے شاہی تخت پر پریشان بیٹھا تھا، اس نے فقیر کی صدا سنی۔ وزیر نے فقیر کو محل سے باہر نکالنے کی کوشش کی، مگر فقیر تھا کہ ٹس سے مس نہ ہوا۔

"بادشاہ سلامت! ایک فقیر بابا شاہی دروازے سے محل میں داخل ہونے کی کوشش کر رہا ہے اور آپ سے ملاقات کی خواہش رکھتا ہے۔" وزیر نے بادشاہ کے سامنے آ کر فقیر کی خواہش بتائی۔

"اے میری رعایا کے وزیر! فقیر کی یہ خواہش پوری کی جائے۔"

بادشاہ سلامت نے اپنے وزیر کو حکم دیا کہ فقیر کو میرے سامنے حاضر کیا جائے۔

"جو حکم آپ کا عالی جاہ!"

وزیر نے ادب سے سر کو جھکاتے ہوئے کہا۔

وزیر نے بادشاہ سلامت کے حکم کی تعمیل کی اور فقیر کو بادشاہ کے سامنے پیش کیا۔

فقیر نے بادشاہ کے سامنے زور زور سے فریاد کرنی شروع کر دی۔ بادشاہ نے وزیر کو حکم دیا کہ فقیر کو پانچ اشرفیوں سے نوازا جائے۔

"بادشاہ سلامت! اگر جان کی امان پاؤں تو کیا میں آپ سے ایک سوال پوچھوں؟"

فقیر نے پریشان حال رحمدل بادشاہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا پوچھنا چاہتے ہو؟ اے درویش انسان!"

"عالی جاہ! آپ کے پاس تو بہت زر و مال ہے پھر آپ کو کون سی پریشانی لاحق ہو گئی"

فقیر نے پریشان حال بادشاہ سے پوچھا۔

"اے اللہ کے بندے! اگر میں تمہیں اپنی

پریشانی بتاؤں تو کیا تم حل کر پاؤ گے؟"

بادشاہ نے مسکراتے ہوئے فقیر سے کہا۔

"میں قربان جاؤں، میرے آقا! میں آپ کی پریشانی کو دور کرنے کی پوری طرح کوشش کروں گا۔"

بادشاہ فقیر کی اتنی فرمانبرداری دیکھ کر اپنی پریشانی بتانے لگا۔

"میں اپنی دونوں بیٹیوں کی وجہ سے بہت پریشان ہوں (بڑی بیٹی کا نام شہزادی سفینہ اور چھوٹی بیٹی کا نام شہزادی مینا تھا اور دونوں بہت ہی خوبصورت اور خوب سیرت تھی، مگر ان کی شادیاں نہیں ہوئیں) ہر ریاست کے شہزادے نے ہاتھ مانگا مگر میری بڑی بیٹی کسی طور بھی مطمئن نہیں ہوئی۔ اب تو عرصہ ہوگیا کسی نے میری بیٹیوں کی خواہش ہی نہیں کی۔"

بادشاہ نے اپنی تمام پریشانی فقیر کے سامنے بیان کر دی۔

"بادشاہ سلامت! کل فجر کی نماز کے بعد جو آپ کے شاہی محل میں سب سے پہلے داخل ہو اللہ پر بھروسہ رکھ کے اس کے ساتھ اپنی کسی بیٹی کی شادی کر دیں۔ اسی میں آپ کی بہتری ہوگی۔"

فقیر نے بادشاہ کی پریشانی کا حل بتایا، بادشاہ نے فقیر کو اپنے شاہی خزانے میں سے بہت سارے انعام سے نواز کر اپنے شاہی محل سے روانہ کر دیا۔

فقیر خوشی خوشی محل سے باہر چلا گیا۔

"کل شاہی دروازے پر جو سب سے پہلے آئے اسے میرے سامنے حاضر کیا جائے۔"

بادشاہ سلامت نے اپنے محل کے تمام شاہی دربانوں کو بلا کے حکم جاری کیا۔

"آپ کا حکم سر آنکھوں پر عالی جاہ!

شاہی دربانوں نے ادب سے سر کو جھکاتے ہوئے کہا۔

ابھی کچھ دور ہی گیا تھا کہ فقیر بابا کو زوروں کی بھوک ستانے لگی۔

"دے دے بابا! اللہ کے نام پہ دے دے!"

اب ایک جھونپڑی کے قریب جا کر فقیر نے ایک بار پھر صدا لگانا شروع کر دی، مگر جھونپڑی والوں نے اسے یہ کہہ کر جھونپڑی سے نکال دیا کہ ہم خود بھوکے لوگ تمہیں کیا کھلائیں گے۔

راستے میں کچھ فاصلے پر فقیر بابا کو ایک کسان کی جھونپڑی نظر آئی، اور پھر سے فریاد کی۔

"کوئی ہے جو مجھ بھوکے کو کھانا کھلائے"

کسان کا اکلوتا بیٹا مہربان علی جو کہ اپنے نام کی طرح بہت ہی مہربان تھا ابھی کھانا کھانے ہی لگا تھا کہ بھوکے فقیر کی آواز سن کر کھانا چھوڑ دیا۔

"فقیر بابا! جھونپڑی میں آجائیے!"

مہربان علی فقیر کو جھونپڑی کے اندر لے آیا، اسے اپنی چارپائی پر بٹھایا اور اپنا سارا کھانا فقیر کے سامنے رکھ دیا، فقیر سمجھ گیا لیکن اس نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا اور چپ چاپ وہاں سے چلا گیا۔

اگلی صبح بادشاہ کے شاہی دروازے پر دستک ہوئی بادشاہ دستک کی آواز سن کر دل ہی دل میں دعا کرنے لگا

کہ اس کی دونوں بیٹیوں کے نصیب اچھے ہوں۔

وزیر نے دستک دینے والے کو شاہی حجرے میں بادشاہ سلامت کے سامنے پیش کیا۔ بادشاہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اس کے سامنے کوئی اور نہیں بلکہ اس کے شاہی باغات میں کام کرنے والے ایک معمولی کسان کا بیٹا کھڑا تھا جو باغات کے سلسلے میں بادشاہ سے ملاقات کرنے آیا تھا۔

بادشاہ نے اپنی دونوں بیٹیوں کو بلایا اور کہنے لگا۔

"میری شہزادیو! اگر میں تم دونوں میں سے کسی ایک کی شادی اس نوجوان سے کر دوں تو کیا آپ میرا مان رکھ لیں گی؟"

شہزادی سفینہ یہ سن کر بہت ناراض ہوئی اور کہا۔

"میرا ایک غریب کسان کے بیٹے کے ساتھ کیونکر گزارا ہوگا"

اب بادشاہ نے اپنی چھوٹی بیٹی کی طرف التجاء بھری نگاہیں ڈالی۔

شہزادی مینا اپنے باپ کی پریشانی دیکھ کر مان گئی اور مہربان علی سے شادی کرنے کے لیے تیار ہوگئی۔

مہربان علی اچانک یہ ماجرا دیکھ کر حیران رہ گیا اسے یہ سب سن کر کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا۔ بادشاہ نے وزیر کو مہربان علی کے والد کو اسی وقت حاضر کرنے کا حکم جاری کر دیا۔

کچھ ہی دیر میں کسان بھی بادشاہ کے شاہی حجرے میں موجود تھا بادشاہ نے سارا ماجرا کسان کو سنایا کہ کس طرح ایک فقیر نے اسے نصیحت کی تھی اور اپنی بیٹی کی شادی کسان کے بیٹے کے ساتھ کرنے کا فیصلہ کیا۔ کسان یہ سن کر خوش ہوگیا۔

شاہی محل کو چاروں طرف سے سجایا جاچکا تھا، شہزادی مینا کو سجانے کے لیے دور دراز کی ریاستوں کی شہزادیاں آچکی تھیں اور شہزادی مینا کو بہت اہتمام سے سجایا گیا تھا۔

کسان کے بیٹے مہربان علی نے سوچا کہ میری جھونپڑی شہزادی مینا کے شایان شان نہیں میں چھوٹی سی جھونپڑی میں شہزادی کو کیسے لے جاؤں۔

"اے شاہی وزیر! میرا آدھا خزانہ مہربان علی کے ساتھ روانہ کیا جائے۔"

بادشاہ نے مہربان علی کی پریشانی کو پرکھ لیا تھا اور اپنے شاہی خزانچی کو حکم دیتے ہوئے کہا۔

"میں یہ خزانہ کسی صورت بھی قبول نہیں کرسکتا، کیونکہ میں خود محنت کر کے اپنی بیوی اور گھر والوں کا پیٹ پالوں گا۔"

مہربان علی نے بادشاہ کا خزانہ لینے سے منع کر دیا اور شہزادی کو اپنی جھونپڑی میں لے آیا۔

مہربان علی جھونپڑی کا دروازہ بند پا کر پریشان ہوگیا کہ اس کے ماں باپ کہاں چلے گئے اس نے یہ سوچتے ہوئے دروازہ کھولا کہ اس کے باپ نے کہا تھا کہ ان دونوں کے آنے تک جھونپڑی صاف اور سجی ہوئی ہو مگر یہاں تو خالی جھونپڑی ان کا منہ چڑا رہی تھی، جھونپڑی سے چارپائی بھی عائب ہو چکی تھی

اب مہربان علی کی پریشانی میں اور بھی اضافہ ہوگیا تھا اس نے شہزادی کو جھونپڑی میں کھڑا رہنے کا کہا اور خود جھونپڑی سے باہر آگیا۔

''چچا! کیا آپ نے میرے ماں باپ کو دیکھا کہ وہ کہاں چلے گئے؟''

مہربان نے ساتھ والی جھونپڑی میں موجود ایک بزرگ سے پوچھا۔

''جی مہربان بیٹا! تمہارے ماں باپ یہ کہہ کر گئے تھے کہ یہاں سے کچھ فاصلے پر ایک اور جھونپڑی میں آجانا۔''

مہربان شہزادی کو لے کر بزرگ کے بتائے ہوئے راستے پر چل دیا۔ کچھ دور جا کر ان دونوں کو ایک خوبصورت محل نظر آیا دونوں جب محل کے قریب پہنچے تو وہاں ان کو سریلی آوازیں سنائیں دی۔ محل چاروں طرف سے سجایا گیا تھا اچانک محل سے ایک غلام نمودار ہوا اور دونوں کو لے کر محل میں داخل ہوا محل رنگ برنگی روشنیوں سے نہایا ہوا تھا جیسے ہی دونوں نے محل کے اندر قدم رکھا تو سامنے شاہی تخت پر اپنے کسان باپ کو پایا جو کہ بڑی شان سے شاہی تخت پر بیٹھا تھا کسان اور اس کی بیوی اپنے بیٹے کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔

''بابا جان! یہ شان وشوکت یہ سب کیسے ہوا؟'' شہزادی اور مہربان علی نے مل کر اپنے ماں باپ سے استفسار کیا۔

کسان نے بتایا کہ کس طرح اس کے بیٹے نے ایک بھوکے فقیر کو کھانا کھلایا تھا، دراصل وہ فقیر نہیں بلکہ ایک بہت بڑی ریاست کا بادشاہ تھا جو اب بیمار رہنے لگا تھا اس کی ریاست کا کوئی وارث نہیں تھا اور اپنی رعایا کے لیے ایک رحم دل اور مہربان شخص کی تلاش میں اس نے فقیر کا روپ دھار لیا تھا اور وہ اپنی ساری ریاست مہربان علی کے نام کر کے چلا گیا اسے جب پتہ چلا کہ آج مہربان کی شادی شہزادی کے ساتھ تھی تو وہ ہمیں یہاں لے آیا اور محل کو ہر طرف سے سجایا''

شہزادی یہ سب سن کر بہت خوش ہوئی اور اپنے سرتاج مہربان علی کو مہربان نظروں سے دیکھنے لگی، وہ آج اپنی قسمت پر نازاں تھی کہ اس کے باپ نے اس کے لیے ایک رحم دل شخص کا انتخاب کیا تھا۔ وہ دل ہی دل میں اللہ کی شکر گزار ہونے لگی۔

ادھر بادشاہ کو بھی اپنی بیٹی کے اچھے نصیب کی خبر مل چکی تھی بادشاہ نے یہ سن کر بے ساختہ کہا

''یہ ہوئی مصلحت خدا''

بادشاہ نے پورے دل سے اللہ کا شکر ادا کیا۔

پیارے لوگو! ہر کام میں اللہ پر بھروسہ رکھو۔ اس کی مخلوق کی خدمت کریں کسی بھی غریب کو اپنے دروازے سے خالی نہ لوٹائیں کیا پتہ کس کے روپ میں مصلحت خدا چھپی ہو اور آپ کو کامیابیوں نواز دے۔

آپ ہمت اور حوصلے سے کام لیں مدد تو خدا کرے گا۔۔۔۔۔ کر بھلا ہو بھلا۔

❁❁❁

محمد مقصود احمد شہیدؒ

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ سے غازی عامر چیمہ شہید رحمۃ اللہ علیہ تک

قسط 6

غازی عبدالقیوم شہید رحمۃ اللہ علیہ

انگریز حکام نے غازی عبدالقیوم کو گرفتار کرلیا تو ایک مسلمان وکیل نے بلامعاوضہ غازی کی وکالت کرنے کا فیصلہ کیا۔ان وکیل صاحب کا نام سید محمد اسلم تھا اور وہ اس وقت عدالتی احاطے میں موجود تھے،جب غازی نے گستاخ نتھورام کو جہنم رسید کیا۔

پھر کیا ہوا۔۔۔؟

آئیے یہ کہانی سید محمد اسلم ایم اے (آکسن) بارایٹ لاء کی زبانی سنتے ہیں:

غازی نے اپنا فرض ادا کردیا تھا۔۔۔ میں نے اپنا فرض ادا کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

میں نے غازی کے چچا کو تلاش کیا اور انہیں پیشکش کی کہ میں اس مقدمے کی پیروی مفت کروں گا۔انہوں نے تشکر آمیز الفاظ کے ساتھ میری پیشکش قبول کرلی۔دوسرے روز میں غازی کے قانونی مشیر کی حیثیت سے ان سے ملاقات کرنے جیل چلا گیا۔

اس سے پہلے بھی میں نے جیل میں قتل کے ملزموں سے ضابطے کی ملاقاتیں کیں تھیں اور ان کی صورتیں مجھے یاد ہیں۔مگر جو اطمینان اور سکون غازی عبدالقیوم کے چہرے سے ہویدا تھا،وہ کسی اور چہرے پر نظر نہ آیا۔جب میں نے بتایا کہ میں آپ کا مقدمہ لڑوں گا،مرد مجاہد پکار اُٹھا:

”آپ جو چاہیں کریں۔۔۔مگر مجھ سے انکار قتل نہ کرائیں۔۔۔اس سے میرے جذبۂ جہاد کو۔۔۔ٹھیس پہنچے گی۔“

میں نے نوجوان غازی کو تسلی دی اور کہا:

''بیشک آپ اقرار کریں اور میں اس اقرار کے ذریعہ انشاء اللہ آپ کو پھانسی سے اتارلوں گا۔''

مگر میری تشفی پر انہوں نے تسلی کا اظہار نہ کیا۔ میں نے دو چار باتیں کیں اور ایک کاغذ پر دستخط کرا کے لوٹ آیا۔

ہندو پیروکاری کی بوالعجبی ملاحظہ ہو کہ اینگلو انڈین قانون کا ضابطہ اپنی مخصوص اور روایتی چال کے بجائے اتنی تیزی سے حرکت میں آیا کہ مہینوں کا کام گھنٹوں میں طے ہونے لگا۔ پہلی رپورٹ کے بعد تفتیش، چالان وغیرہ سب کچھ دو دن میں ہوگیا اور مقدمہ قتل عمد سماعت کے لیے ابتدائی عدالت میں پہنچ گیا۔

جب میں نے گواہان صفائی کی فہرست پیش کی تو اسے پڑھ کر مجسٹریٹ صفائی چونک اٹھے۔ میں نے دوسرے گواہوں کے علاوہ مولانا ظفر علی خان، خواجہ حسن نظامی، علامہ اقبال، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا شوکت علی، مفتی کفایت اللہ کے علاوہ دیوبند اور فرنگی محل کے متعدد مقتدر علماء کو طلب کیا تھا۔

عدالت نے اعتراض کیا کہ یہ گواہ مقدمے سے غیر متعلق ہیں، اس لیے نہیں بلائے جاسکتے۔ میں نے جواب دیا کہ جس جذبہ کے تحت استغاثہ عبدالقیوم کو قاتل قرار دیتا ہے، اس جذبے کی نفسیاتی ترجمانی یہی حضرات کرسکتے ہیں۔ ظاہر ہے میری یہ دلیل جج کی فہم سے بالاتر تھی چنانچہ اس نے میری درخواست خارج کردی۔

میں نے فوراً جوڈیشل کمشنر کراچی میں اپیل دائر کردی جس کے دو جج اور سالون فیرس وقوعہ کے چشم دید گواہ تھے۔ اپیل دائر کرنے کے ساتھ ساتھ میں نے ججوں کے اختیار سماعت پر قانونی اعتراض کردیا۔

کراچی جوڈیشل میں اس وقت چار جج تھے۔ دو چھوٹے اور دو بڑے۔ ان میں سے تین اس درخواست کے اہل نہ تھے اور چوتھے سیشن جج تھے۔ چنانچہ عدالت عالیہ کے ججوں نے ایک مسٹر لوبو کو طلب کرکے بینچ ترتیب دے دیا۔ اپیل کی سماعت شروع ہوئی اور بینچ نے بھی یہی فیصلہ دیا کہ ان غیر متعلق گواہوں کو بلانے کی کوئی گنجائش نہیں۔ گویا اپیل خارج ہوگئی۔

دو تین روز بعد مقدمہ سیشن جج کراچی کی عدالت میں آگیا۔ مقدمے کی اہمیت کے پیش نظر عدالت نے اسے ''جیوری ٹرائل'' قرار دیا۔ جیوری 9 افراد پر مشتمل تھی جن میں چھ انگریز، ایک پارسی اور دو عیسائی تھے۔ یہ سب کے سب اچھی شہرت، معقول سوجھ بوجھ کے مالک اور باعزت شہری تھے۔

قتل کے عام مقدموں کے برعکس اس مقدمے کا کام بہت سیدھا اور مختصر تھا۔ صفائی کا تو کوئی گواہ تھا ہی نہیں، سارا دارومدار قانونی بحث پر تھا۔ ثبوت میں اول تو خود عدالت عالیہ دو انگریز جج تھے۔ دوسرے غازی عبدالقیوم نے اپنے اقبالی بیان میں تسلیم کرلیا تھا کہ:

''میں نے جونا مارکیٹ کی مسجد میں پیش امام کی زبانی نتھورام کے فحش پمفلٹ کے مندرجات سنے

اور یہ بھی معلوم ہوا کہ کل اس کی اپیل کی سماعت کے لیے عدالت میں پیشی ہو رہی ہے چنانچہ اگلے روز میں نے اپنا کاروبار چھوڑا۔۔۔بازار سے ایک خنجر خریدا۔۔۔اسے تیز کرایا اور سماعت سے پہلے ہی عدالت میں پہنچ گیا۔ایک نامعلوم شخص کے ذریعے نتھورام کو شناخت کیا اور پھر اس کے قریب ہی جا کر بیٹھا۔میں نے اسے کن انکھیوں سے دیکھا۔یکا یک میرے سینے میں غیظ وغضب کا طوفان اُمنڈ آیا۔ میں آپے سے باہر ہو کر نشست سے اُٹھا۔شلوار کے نیفے میں چھپایا ہوا خنجر نکالا اور چشم زدن میں نتھورام کے پیٹ میں گھونپ دیا۔اس کی آنتیں نکل آئیں اور وہ منہ کے بل گر پڑا۔دوسرا وار اس کی گدی پر کیا اور یہ ضرب پہلی سے زیادہ کاری ثابت ہوئی۔خون کا فوارہ چھوٹ نکلا اور چند ہی منٹ میں اس کا قصہ تمام ہو گیا۔"

اس اقبالی بیان کی تائید میں ضابطے کے بیانات ہوئے اور استغاثے کے چشم دید گواہ (عدالت عالیہ کے دو جج) پیش ہوئے۔

جہاں تک واقعاتی پہلو کا تعلق تھا، بچاؤ کی کوئی گنجائش نہ تھی۔بس جذبے اور ارادے والی بات رہ جاتی تھی۔مگر غازی موصوف کے اقبالی بیان سے صاف ظاہر تھا کہ اس نے یہ اقدام ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچ کر کیا تھا۔اس میں فوری اشتعال اور فوری عمل کا کوئی ہاتھ نہ تھا۔تاہم میں نے کیس کو تقریباً انہی خطوط پر تیار کیا اور قانون سے زیادہ نفسیات انسانی اور تاریخ سے بحث کی۔جیوری اور جج کے سامنے میں نے جو بحث کی، وہ شاید برطانوی ہند میں اپنی نوعیت کی واحد اور منفرد بحث تھی۔

جس روز بحث ہونی تھی، میں قانونی پلندوں کی بجائے قرآن کریم کا ایک نسخہ لے کر عدالت میں پیش ہوا۔جج اور جیوری میرے ہاتھ میں قرآن پاک کا نسخہ دیکھ کر متحیر رہ گئے۔

عام وُکلاء سے پیچھے ہٹ کر میں نے بلند آواز میں بحث کا آغاز کیا اور کہا:

"حضور والا معزز صاحبان جیوری! مجھے مقدمے کے بارے میں کچھ نہیں کہنا۔کیونکہ جہاں تک وقوعے کا تعلق ہے وہ ثابت ہو چکا ہے۔مجھے صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ میرے مؤکل کا یہ اقدام اس قانون پر مبنی تھا اور یہ آئین جو آج چین کی سرحد سے لے کر مراکش تک جاری وساری ہے، جسے کئی حکومتیں اپنے پینل کوڈ کے طور پر استعمال کر رہی ہیں، ہماری تہذیب اور ہمارے کلچر کی بنیاد ہے۔میں جانتا ہوں عدالت اس کورڈ سے انکار کر کے اس کے تقدس کو ٹھیس پہنچائے گی لہٰذا میں اسے کھول کر نہیں دکھاؤں گا۔مجھے جو کچھ کہنا ہے اسی کے سہارے کہوں گا۔اس میں بار بار مذہبی پیشواؤں کو برا کہنے کی سخت ممانعت کی گئی ہے۔مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ یہ اپنی نوعیت کا پہلا حادثہ نہیں ہے۔گزشتہ چند سال میں ایسی متعدد وارداتیں ہو چکی ہیں۔خصوصاً دلی اور لاہور میں بالکل اسی نوعیت کے دو قتل ہو چکے ہیں۔

جاری ہے

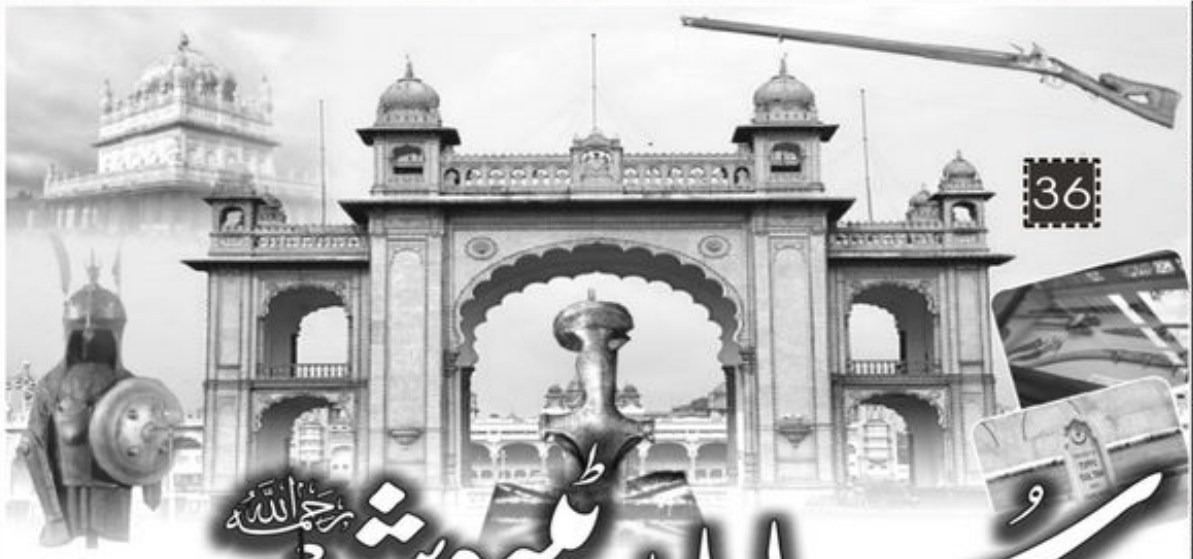

36

سلطان ٹیپو شہید رحمۃ اللہ

عبدالحفیظ امیرپوری

حمیدہ خاتون نے جب سنا کہ نظام علی خان میسور پر حملہ کرنے کے لیے انگریزوں سے ساز باز کر رہا ہے تو حمیدہ خاتون کی نفرت میں مزید اضافہ ہوگیا۔اس جانباز لڑکی نے اپنے والد کے ایک معتمد خاص کو نواب حیدر علی کے نام ایک خفیہ پیغام دے کر سرنگاپٹم روانہ کر دیا۔

''آپ پر رب العزت کی سلامتی ہو کہ اب آپ ہی پورے ہندوستان میں مسلمانوں کے عزت وناموس اور اقتدار کے نگہبان ہیں۔میرا حریص وخود غرض چچا،نظام علی خان فرنگیوں کے ساتھ مل کر آپ کے خلاف سازش کر رہا ہے۔میری فراہم کردہ اس اطلاع کو کسی سیاسی چال سے تعبیر نہ کیجئے گا کہ میں اُمت مسلمہ کے محافظ کی حیثیت سے آپ کو اپنے والد مظفر جنگ مرحوم سے بھی عظیم وبرتر سمجھتی ہوں۔اللہ آپ کو دشمنوں کی فتنہ گری سے محفوظ رکھے اور ہر معرکۂ حیات میں سربلندی عطا کرے۔جب کبھی آپ کو سیاست کی کشاکش سے نجات مل جائے تو اپنی اس بیٹی کو ضرور یاد کر لیجئے گا،جس پر زمین دکن تنگ ہو چکی ہے اور جو اپنے ہی وطن میں ایک غریب الوطن کی زندگی گزار رہی ہے۔''

عجیب خط تھا۔حیدر علی کی آنکھیں گرم غبار سے بھر گئیں اور پھر یہ غبار پانی کے قطروں کی شکل میں والئی میسور کے چہرے پر نمودار ہوگیا۔

''مجھے حمیدہ خاتون کے بارے میں تفصیل سے بتاؤ!''خط پڑھنے کے بعد والئی میسور،مظفر جنگ کے خدمت گار سے مخاطب ہوا۔

خدمت گار نے اس مظلوم دوشیزہ کی داستان الم سناتے ہوئے کہا۔

''میری آقازادی ارض دکن میں دفن ہونا

بھی پسند نہیں کرتیں۔ان کی خواہش ہے کہ وہ ایک آزاد مملکت میں آخری سانس لیں اور پھر اپنے خالق سے جاملیں۔بی بی کے نزدیک آپ کے سلطنت کے علاوہ ہندوستان میں کوئی دوسری آزاد مملکت نہیں ہے۔"

نواب حیدر علی حمیدہ خاتون کے خیالات اور کردار سے بہت زیادہ متاثر ہوا۔

"میری بیٹی کو بہت بہت دعا کہنا۔" والئی میسور نے مظفر جنگ کے خدمت گار کو رخصت کرتے ہوئے کہا۔

"اور اس سے یہ بھی کہہ دینا کہ اس کا باپ ایک دن اس تک ضرور پہنچے گا۔"

☆.....☆.....☆

حمیدہ خاتون کے قاصد کے جاتے ہی نواب حیدر علی نے اپنے تمام فوجی افسروں کا خفیہ اجلاس طلب کرلیا پھر جب والئی میسور نے مظفر جنگ کی بیٹی کا خط پڑھ کر سنایا تو حاضرین حیرت زدہ رہ گئے اور حمیدہ خاتون کے جزبات کی تعریف کرنے لگے۔

"بے شک وہ دختر اسلام ہے جو زمین اور نسل سے زیادہ مذہبی رشتے کو اہمیت دیتی ہے"

نواب حیدر علی نے اپنے فوجی افسروں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"سلطنت میسور پر حمیدہ خاتون کا احسان ہے کہ اس جاں فروش لڑکی نے اپنے زندگی کو نئے خطرے میں ڈال کر ہمیں دشمنوں کی ایک بڑی سازش سے آگاہ کیا۔"

"نواب بہادر نے بجا فرمایا۔" سپہ سالار محمد علی کمیدان نے با آواز بلند کہا۔

"ہم سب اس بچی کے شکر گزار ہیں کہ اس نے وقت سے پہلے ہمیں ایک خوفناک سیلاب کی آمد سے خبردار کیا۔اب ہم طوفان کو روکنے کے لیے مضبوط پشتے تعمیر کرسکتے ہیں۔"

پھر کئی دن کی طویل گفتگو کے بعد حیدر علی نے اپنا جنگی منصوبہ ترتیب دے دیا۔اسی دوران آہنی پنجرے میں کھنڈے راؤ انتقال کرگیا۔جب والئی میسور کو یہ خبر دی گئی تو وہ چند لمحوں کے لیے اداس ہوگیا۔پھر بڑے اثر انگیز لہجے میں کہنے لگا:

"مسلمان کی یہ شان نہیں کہ وہ دشمن کی موت پر جشن منائے۔اب مجھے اس سے کوئی شکایت نہیں۔وہ میرا طوطا تھا اس لیے اس کی ارتھی بھی بڑی شان سے اُٹھنی چاہیے۔"

پھر ایسا ہی ہوا کھنڈے راؤ کی چتا کو بڑی دھوم دھام سے آگ لگائی گئی۔کھنڈے کے مرنے پر رانیوں سمیت بہت سے لوگوں نے سکھ کا سانس لیا۔

☆.....☆.....☆

آخر وہ گھڑی آپہنچی،جس کی خبر نواب حیدر علی کو بہت پہلے مل چکی تھی۔میسور پر حملے سے پہلے ایسٹ انڈیا کمپنی اور والئی دکن کے درمیان ایک معاہدہ قرار پایا جس کی رو سے نظام علی خان نے اپنا

شمالی علاقہ انگریزوں کے حوالے کر دیا۔اس کے بعد والئی دکن اپنی کثیر فوج لے کر انگریزوں کے ساتھ میسور پر حملہ آور ہوا۔انگریزی فوج میں زیادہ تر نواب ارکاٹ والا جاہ محمد علی کے سپاہی شامل تھے اور ان کی قیادت کرنل اسمتھ کر رہا تھا۔اتحادی فوجیں پورے زور وشور کے ساتھ بالا گھاٹ کے علاقے کی طرف بڑھیں۔

نواب حیدر علی نے اپنی فوج کو کئی حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ایک دستے کی قیادت ٹیپو سلطان کر رہا تھا۔اس وقت ٹیپو کی عمر صرف پندرہ سال تھی۔دوسرے دستے پر محمد علی کمیدان، تیسرے پر بخشی ہیبت جنگ اور چوتھے پر میر علی رضا خان کو مامور کیا گیا۔باقی فوج والئی میسور کے ماتحت تھی۔

حیدر علی مدافعانہ جنگ لڑ رہا تھا۔اس نے اتحادی فوجوں کی رسد روکنے کے لیے مختلف علاقوں کو لوٹ لیا اور دشمن کے لشکروں پر شب خون مارنا شروع کر دیئے۔

کرنل اسمتھ ایک ذہین سپہ سالار تھا۔حملہ کرنے سے پہلے وہ حیدر علی کی جنگی حکمت عملی کا مطالعہ کرتا رہا تھا۔نتیجتاً اس نے ایک عجیب چال چلی اور نواب کی توجہ ہٹانے کے لیے بمبئی کے علاقے سے ایک منگلور کے ساحل پر اتار دی اور اسے حکم دیا کہ وہ آگے بڑھ کر حیدر نگر (بدنور) پر قبضہ کر لے۔جب نواب کو اس کی خبر ملی تو اس نے ٹیپو سلطان کو حیدر نگر کی طرف بھیج دیا۔مغل شہزادہ مرزا اسد بیگ بھی اسی فوجی دستے کے ہمراہ تھا اور میدان جنگ میں سائے کی طرح ٹیپو سلطان کے ساتھ ساتھ رہتا تھا۔پھر کچھ دن بعد مشرقی محاذ کو میر علی رضا خان اور محمد علی کمیدان کے سپرد کر کے خود نواب بھی حیدر نگر کی طرف روانہ ہو گیا۔

والئی میسور اور ٹیپو کے چلے جانے کے بعد اتحادی فوجوں کو پیش قدمی کا موقع مل گیا اور پھر انہوں نے مختصر سے عرصے میں دانم باڑی، کنگن گڑھ، چک دیو، دھرم پوری، کولار اور ہوسکوٹہ کو فتح کر لیا۔ان فتوحات سے نواب ارکاٹ والا بہت مسرور تھا۔اس نے مفتوحہ علاقوں کے انتظام کے لیے ''گنتی'' کے حاکم مراری کو اپنے پاس بلا لیا اور ''کولار'' کو اپنا صدر مقام بنا لیا۔کولار وہی جگہ ہے جہاں نواب حیدر علی پیدا ہوا تھا۔کولار پر قبضہ ہوتے ہی والہ جاہ محمد علی نے بڑے جزباتی انداز میں نعرہ لگایا تھا:

''میں نے کولار کو اپنے قدموں سے روند ڈالا۔اب حیدر علی بھی میرے سامنے گھٹنے ٹیک دے گا۔''

والاہ جاہ محمد علی نے جشن فتح اس طرح منایا کہ کئی دن تک شراب پانی کی طرح بہتی رہی اور خوبصورت ہندو رقاصائیں ناچتی رہیں۔

☆.....☆.....☆

ٹیپو سلطان نے جاتے ہی منگلور کا محاصرہ کر لیا مگر فوج کی کمی کے باعث کوئی مؤثر کاروائی

نہیں کرسکا۔انگریزی فوج سے چند فوجی جھڑپیں ہوئیں، جن میں ٹیپو سلطان غالب رہا۔فرنگی کمانڈر مائیکل رابرٹ نے یہ منظر دیکھا تو اپنے سپاہیوں کو پیغام بھیجا کہ وہ پسپا ہوتے ہوئے شہر میں داخل ہوجائیں۔ ٹیپو سلطان محض ایک پندرہ سالہ لڑکا ہے۔وہ جزبات سے مغلوب ہوکر فتح کے نشے میں ان کا تعاقب کرتا ہوا شہر میں داخل ہوجائے گا اور مختلف کمین گاہوں میں چھپے ہوئے انگریز فوجی اسے اپنے نرغے میں لے کر گرفتار کرلیں گے۔

مائیکل رابرٹ کا یہ منصوبہ تھا کہ وہ میسور کے ولی عہد سلطنت کو یرغمال بنا کر نواب حیدر علی سے کمپنی کا ہر مطالبہ تسلیم کرالے گا۔

انگریز سپاہی اس حکمت عملی کے تحت پسپا ہوتے ہوئے پیچھے ہٹ رہے تھے۔ٹیپو سلطان کے سپاہی انسانی فطرت کے مطابق شکست خوردہ دشمن کا تعاقب کرنا چاہتے تھے مگر ولی عہد سلطنت نے یہ کہہ کر انہیں روک دیا۔

''میں نہیں جانتا کہ شہر کے اندر کی فضا کیسی ہے اور دشمن کہاں کہاں گھات لگائے بیٹھے ہیں۔اس لیے کھلے میدان میں مقابلہ کرو۔جو کچھ ہے سامنے آجائے گا۔''

سپاہیوں کے اکثریت نے دل ہی دل میں ٹیپو سلطان کے فیصلے سے اختلاف کرتے ہوئے ولی عہد سلطنت کے اس فیصلے کو ناتجربہ کاری کا نتیجہ قرار دیا۔

چند روز بعد نواب حیدر علی بھی منگلور پہنچ گیا۔والئی میسور کو اس علاقے سے زیادہ ٹیپو سلطان کی فکر تھی۔اس نے بڑی جرأت کے ساتھ اپنے نوآموز تیراک کو آگ اور خون کے سمندر میں اُتار دیا تھا کہ یہ آزمائش ٹیپو کی سپاہیانہ زندگی کے لیے ضروری تھی۔مگر اس کے ساتھ ہی یہ ایک مشفق باپ کا فرض بھی تھا کہ وہ اپنے کم عمر اور ناتجربہ کار بیٹے کی نگرانی بھی کرے۔اسی احساس کی شدت سے مجبور ہوکر نواب حیدر علی برق رفتاری کے ساتھ منگلور پہنچا تھا۔

جنگ کی صورتحال سے باخبر ہونے کے بعد حیدر علی نے ٹیپو سلطان سے پوچھا:

'جب دشمن پر غلبہ حاصل ہوگیا تھا تو پھر تم نے اس کا تعاقب کیوں نہیں کیا؟''

یہ سوال کرتے وقت حیدر علی کا لہجہ تند و تیز تھا۔جیسے وہ ٹیپو کے اس فیصلے پر ناراضگی کا اظہار کررہا ہو۔

''میں نے یہی مناسب سمجھا کہ کھلے میدان میں اس کا مقابلہ کیا جائے۔میرے نزدیک انجان راستے پر آگے بڑھنا دانشمندی نہیں۔''ٹیپو نے مؤدبانہ لہجے میں جواب دیا۔مگر اس کے ایک ایک لفظ سے اپنی ذات پر اعتماد کا اظہار ہورہا تھا۔

☆.....☆.....☆

کوئی چراغ تھا

خنساء احمد

''خود کو سنبھالو! برہان!'' میری گھبرائی ہوئی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی تو اس نے پتلیاں پھیر کر میری طرف دیکھا اور اپنی نظریں میرے چہرے پر گاڑ دیں۔

''ہمت کرو!'' میں پھر پکارا۔

''گواہ رہنا۔۔۔ سرتاج۔۔۔! کہ میں نے اپنی حجت۔۔۔ تمام کر دی'' تکلیف کی وجہ سے اس نے ہانپتے ہوئے کہا۔

''ابھی ہمیں مل کر بہت کچھ کرنا ہے'' میں نے اس کی پیشانی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

''اب ہم۔۔۔ جنت میں ملیں گے۔ لا الہ۔۔۔ الا اللہ۔۔۔ محمد الرسول اللہ''

یہ الفاظ میرے کانوں میں پڑتے ہی کائنات یک دم سکڑ گئی۔ میں اس کیفیت میں چلا گیا جہاں میرے اور اس کے سوا کائنات میں کچھ نہ تھا۔ میرے کان میرے ارد گرد چلتی گولیوں کی تڑتڑاہٹ نہیں سن پا رہے تھے۔ میری زبان سے گویائی سلب کر لی گئی تھی۔ اپنی گود میں اس کا سر رکھے ہوئے میں اس کی ٹوٹتی ہوئی سانسوں کی دھمک محسوس کر سکتا تھا۔ اس کا خون آلود چہرہ میری آنکھوں کے سامنے تھا۔ ماضی کے دھندلے نقوش ایک فلم کی صورت میں میرے ذہن میں چلنے لگے تھے۔

سلام پھیرنے کے بعد وہ اپنا رخ ہماری طرف کرتا تو اس کے چہرے پر اطمینان اور سکون

کی چمک بکھری ہوتی جیسے صبح کے وقت آسمان پر شفاف روشنی پھیلتی ہے۔اس کی آنکھوں میں امید کی ایک چمک ہوتی تھی۔اس کی امامت میں نماز پڑھنے میں ایک سرور ہوتا تھا۔اس کی قراءت میں رعب اور تاثیر تھی۔ ہر نماز کے بعد وہ ایک ولولہ انگیز دعا کرتا جس کا اختتام ان الفاظ پر ہوتا۔

''اے اللہ! ہمیں امام حسینؓ کے راستے پر ثابت قدم رکھنا''

اب اس کا روشن چہرہ اسی کے خون میں تر تھا۔اچانک میں نے محسوس کیا کہ اس کا بے جان ہاتھ میرے ہاتھ میں ہے۔

''پریشان لگ رہے ہو، کس سوچ میں گم ہو؟''اس نے ایک دفعہ مجھ سے پوچھا تھا۔

''میں سوچ رہا ہوں کہ ہمارے خطے میں بھارتی فوجیوں کی تعداد لاکھوں میں ہے۔ہم چند مجاہدان کو کبھی زیر نہیں کر سکتے''میں نے تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا۔

اس نے میرے کاندھے پر یہی مضبوط ہاتھ رکھا اور حوصلہ افزا لہجے میں کہا۔

''میرے دوست! ہر مرتبہ دشمن کو زیر کرنا ہی فتح نہیں ہوتی۔امام حسینؓ نے اپنا لشکر قربان کر دیا لیکن وہ ابد تک فاتح ٹھہرے۔ ہم چراغ ہیں، اندھیرے کو ختم نہ بھی کر سکے تو اس کا نقصان ضرور کر جائیں گے۔''میں نے نظریں اٹھا کر دیکھا تو اس کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ تھی۔ وہی مسکراہٹ جو آج شہادت کے بعد اس کے چہرے پر نمودار ہوئی تھی۔

❁❁❁❁

مجھے اس تحریک میں شامل ہوئے ایک سال بیت چکا تھا جب پندرہ سال کی عمر میں برہان نے مجاہدین میں شرکت کی۔وہ ایک ذہین طالب علم تھا اور ڈاکٹر بننا چاہتا تھا۔لیکن ایک روز اسکول سے واپسی پر بھارتی پولیس کے غنڈوں نے اس پر اور اس کے بھائی پر بلاوجہ تشدد کیا۔

یہ تشدد اس کے لیے ہوا کا ایک جھونکا ثابت ہوا جس نے اس کی زندگی کا رخ موڑ دیا۔اب وہ جسمانی بیماریوں کی بجائے غلامی جیسے عالم گیر مرض کا علاج کرنا چاہتا تھا۔

وہ ایک عام میلیٹنٹ کے طور پر شامل ہوا تھا لیکن اس کی بہادری اور اس کا پختہ عزم اسے تحریک کی قیادت تک لے آیا۔ اس کے رخساروں پر شجاعت کی سرخی دمکتی رہتی تھی۔ وہ ہماری طرح چھپ کر حملہ کرنے کی بجائے اعلانیہ جہاد کا قائل تھا۔

''اگر ہم اسی طرح خود کو ظاہر کرتے رہے تو دشمن کے لیے آسان ہدف بن سکتے ہیں۔''میں نے تشویش کا اظہار کیا۔جھیل کے کنارے بیٹھے آستینیں چڑھائے شفاف پانی سے وضو کرتے ہوئے اس نے چہرہ اٹھا کر مجھے دیکھا۔

''جب تک اس زمین پر انسان کا رزق لکھا

ہو، موت خود اس کی زندگی کی حفاظت کرتی ہے" اس کے جواب نے مجھے چونکا دیا۔

اس کی بہادری کی داستانیں کشمیر کے ہر ہر گھر میں سنائی جانے لگیں۔ برہان وانی امید کے دیے پر جلتی لو بن چکا تھا۔ اس سے متاثر ہو کر نوجوانوں کی بڑی تعداد تحریک کا حصہ بننے لگی۔ اس کے خوف نے ریاستی جبر کے ایوانوں میں ہلچل مچا دی یہاں تک کہ بھارتی حکومت کو اس کے سر کی قیمت پندرہ سو ڈالر مقرر کرنا پڑی اور بالآخر وہ اس دیے کو بجھانے میں کامیاب ہو گئے جو ان کے ظلم کے اندھیروں کے لیے خطرہ ثابت ہو رہا تھا۔

اس کا سر میری آغوش میں تھا۔ اس کا جسم بے جان تھا لیکن وہ ہمیشہ کے لیے امر ہو چکا تھا۔ ازل سے بنتی ہوئی حریت کی عمارت میں وہ اپنے حصے کی اینٹ لگا چکا تھا۔ وہ چراغ اندھیروں کو ختم تو نہ کر سکا لیکن انہیں بہت نقصان پہنچا گیا۔ وہ خود تو بجھ گیا لیکن ہزاروں دیے روشن کر گیا اس امید پر کہ ان سب کی روشنی ملے گی اور کشمیر میں آزادی کا سورج طلوع ہو گا۔

❁❁❁❁

اگر آپ اچھے قلمکار کہانی نویس اور مصنف بننا چاہتے ہیں تو ایک بات اچھی طرح ذہن نشین کر لیں۔

کی پیڈ پر انگلی چلانا کاغذ پر قلم سے لکھنے کا قائم مقام نہیں بن سکتا۔ یہ عادت آپ کی تحریری صلاحیتوں کے لئے کئی طرح سے نقصان دہ ثابت ہو سکتی ہے۔ اس طرح لکھتے ہوئے آپ ٹھیک سے سوچ نہیں پاتے۔ لکھنے میں بہت سی غلطیاں ہو جاتی ہیں۔ جملے درست نہیں بن پاتے۔ دماغ جلدی تھک جاتا ہے اور آپ تحریر کو سمیٹنے کی کوشش میں بسا اوقات اس کا مزا خراب کر بیٹھتے ہیں۔ تحریر بہت مختصر رہ جاتی ہے اور سب سے بڑا نقصان یہ کہ قلم سے رشتہ کٹ جاتا ہے۔

اس لئے کوشش کریں کہ کہانی ہو یا خط، لطیفہ ہو یا سوال، نظم یا فلنگ کاغذ پر لکھیں اور پھر اس کا صاف فوٹو بنا کر وہ ہمیں سینڈ کر دیں۔ یہاں کمپوز کر لیا جائے گا۔ کوشش کریں تصویر بہت واضح بنائیں تا کہ کمپوزر کو مشکل نہ ہو۔

اگر آپ پہلے کاغذ پر لکھتے ہیں اس کے بعد ٹائپ کر کے بھیجتے ہیں تو بھی ٹھیک ہے اس گذارش کا مقصد صرف یہ ہے کہ قلم سے آپ کا تعلق مضبوط رہے۔ البتہ اس صورت میں تصحیح کا بہت اہتمام کریں۔ امید ہے آپ فائدے کی اس بات پر عمل کی پوری کوشش کریں گے۔

والسلام

مدیر

فون نمبر: 03127184199
Email:
musalmanbachay@gmail.com

بقیہ: جواب

کمانڈر نے مگر اس بات کو بھی رد کر دیا ان کا کہنا تھا کہ ہم جیسے ہی خفیہ دروازے سے پر لیزر شعاع ڈالیں گے پورے ایریے کے اندر سائرن گونج اٹھے گا اور پھر نتیجے میں ساری فوج الرٹ ہو جائے گی، یوں ہمارے لیے مشکلات دگنی چوگنی ہو جائیں گی۔

کمانڈر کی رائے میں وزن تھا سو انہوں نے نقشہ سمیٹا اور ایک مرتبہ پھر اندر داخل ہونے کی کوشش میں نکل کھڑے ہوئے۔ اب کی بار جب وہ گیٹ کے قریب آئے تو انہوں نے دیکھا کہ فوجی کچھ بوکھلائے بوکھلائے ہوئے ہیں، ابھی وہ حالات کو سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے کہ ایک فوجی نے نہایت عجلت میں کہا۔

''مسٹر یاہو! آؤ جلدی اندر چلیں'' فراز نے گیٹ کی طرف بڑھتے ہوئے ہانک لگائی۔

''ارے ارے! بتا تو سہی مسئلہ کیا ہے کیوں اتنا بوکھلایا ہوا ہے؟'' اس گہما گہمی کے اندر فوجی کو آواز میں تو تمیز نہ ہو سکی۔ طنزاً جواب دیتے ہوئے کہا:

''تم بھی الو کے پٹھے ہو، سارے بھاگے بھاگے پھر رہے ہیں اور تم ہو کہ ابھی تک معاملے کا پتہ ہی نہیں''

''وہ دراصل ہم نا جھاڑیوں میں ہوا خوری کے لئے چلے گئے تھے اس لیے معلوم نہ ہو سکا''

فراز نے ایک مرتبہ پھر آواز کو پھیرتے ہوئے کہا۔

''مسٹر یاہو! عماد الدین فراز کو تو جانتے ہو ناں؟ وہی ہزار چہروں والا جن!!!

اوپر سے آرڈر آیا ہے کہ وہ ہم میں کہیں داخل ہو چکا ہے اس لیے ہر طرف نظر رکھو!'' فوجی نے ڈرتے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

''مگر وہ تو ''جل بیب'' کے ائیر پورٹ پر دکھائی دیا تھا، تم اتنا خوفزدہ کیوں ہو رہے ہو؟''

فراز نے اندر ہی اندر ہنستے ہوئے پوچھا۔

''نہیں بابا نہیں، اس کا کوئی پتہ نہیں چلتا، وہ ماورائی طاقتوں کا مالک ہے ایک وقت میں مختلف جگہوں پر بھی پایا جایا سکتا ہے مجھے تو اس سے خوف آرہا ہے کہیں وہ میرے گھر ہی نہ گھس گیا ہو'' فوجی یہ کہتے ہوئے حقیقت میں کپکپا رہا تھا۔

اسی اثنا میں وہ اندر داخل ہو چکے تھے، کمانڈر نے اشارہ کیا کہ زیادہ دیر اس کے ساتھ کلام مناسب نہیں اب آگے چلیں، انہوں نے فوجی کو خوفزدہ حالت میں ایک جگہ چھوڑا اور آگے چل دیئے..... ان کا رخ سیدھا لیبارٹری کے کنٹرول روم اور مرکز توانائی کی طرف تھا۔ یہاں پر تعنیات چند فوجیوں کے نام بھی انہوں نے ذہن میں محفوظ رکھے ہوئے تھے تاکہ بوقتِ ضرورت کام آسکیں۔

جب وہ جنریٹر والے روم کے پاس آگئے تو دروازے پر دستک دی۔

''کون؟'' اندر سے نشے میں دھت نیم بیہوش شخص کی آواز آئی۔

''میں مسٹر یاہو بول رہا ہوں، جنرل صاحب نے بھیجا ہے کہ واش روم کی بجلی خراب ہے وہ سیٹ کرنی ہے جلدی سے دروازکھولو!''

''ٹھیک ہے میں آتا ہوں''

''ہاں ہاں جوزف جلدی کرو جلدی'' فراز نے نام کا سہارا لیتے ہوئے اسے مزید مطمئن کر دیا۔

پھر اس نے جیسے ہی دروازہ کھولا کمانڈر صاحب فوراً حرکت میں آئے اور چاقو نکال کر اس کا کام تمام کر دیا پھر انہوں نے تسلی سے تمام تاریں کاٹ ڈالیں، اس کے بعد انہوں نے لیزر گن کی مدد سے جنریٹر پر دو تین وار کر کے اسے بالکل ناکارہ بنا دیا۔

پھر وہ جلدی سے باہر نکلے، اب ان کے پاس وقت بہت کم تھا۔ وہ سیدھے لیبارٹری کی سمت چل پڑے۔ آگے کئی رکاوٹیں حائل تھیں مگر انہوں نے لیزر گنوں کی مدد سے بلا خوف و خطر سب کا صفایا کر دیا پھر وہ ایک تہہ خانے کے دروازے پر پہنچے۔ دروازہ بند تھا ان کے پاس اسے کھولنے کا کوئی طریقہ نہیں تھا، یہاں پر بھی انہوں نے لیزر شعاعوں کا سہارا لیا۔ اگلے لمحے دروازہ ذرات میں تبدیل ہو کر مٹ چکا تھا اور سامنے ایک لمبی سے راہداری ظاہر ہو چکی تھی۔ وہ فوراً آگے بڑھے۔ دائیں جانب ایک ہال تھا جس میں جو کچھ بھی ہو فی الحال ابھی اندھیرے اور تاریکی کا راج تھا اور ایک عجیب سی چیخ و پکار تھی شاید پہلی مرتبہ اس ظلمت کدے میں لائٹ گئی تھی اس لیے وہ وہاں ہلا مچا رہے تھے۔ مگر ان اعلیٰ دماغوں کو یہ توفیق نہ ہو سکی کہ باہر نکل کر حالات سے آگہی لے لیں انہیں گویا اپنے محفوظ ہونے کا پورا یقین تھا۔

جب فراز نے پنسل ٹارچ نکال کر اندر کا جائزہ لیا تو سائنس دان اپنی میزوں کو چھوڑ کر دیواروں سے چپک گئے مگر ان عقل کے اندھوں سے یہ بات اوجھل ہو گئی کہ کبوتر جتنی مرضی آنکھیں بند کر لے شکار تو اسے ہو کر ہی رہنا ہوتا ہے۔

کمانڈر صاحب نے فوراً لیزر گن کا رخ اس جانب کیا اور لال بٹن دبا دیا۔ پل کے پل میں سب کچھ جل کر خاکستر ہو گیا پھر انہوں نے ایک ایک کمرے جا کر یہی حشر کیا آخر میں ایک مناسب جگہ پر ٹائم بم فٹ کیا اور خود خفیہ راستے سے ہوتے ہوئے باہر نکل آئے۔

باہر نکل کر انہوں نے قدم تیزی سے بڑھ دیئے وہ جلد از جلد اس ایریے سے دور ہو جانا چاہتے تھے۔ اسی دوران انہوں نے دیکھا کہ طیارے پورے علاقے پر چکر لگانے لگے ہیں اور لیبارٹری کے احاطے میں چیخ و پکار بلند ہو رہی ہے۔ کمانڈر صاحب نے ریموٹ کنٹرول ہاتھ میں لیا اور نعرۂ تکبیر بلند کرتے ہوئے سرخ بٹن دبا دیا۔

اگلے ہی لمحے ایک کان پھاڑ دھماکے نے زمین ہلا کر رکھ دی اور فضاء کالے کالے بادلوں سے ڈھک گئی۔ جب تک فضا سے کالے بادل چھٹے ہوں گے کمانڈر صاحب اور فراز کہیں کے کہیں نکل چکے تھے۔

❁❁❁❁

گھونسلہ

ایمن صغیر

تمام جانب اداسیوں کا راج محسوس ہوتا۔ یوں لگتا جیسے جنگل ویران ہوگیا ہو۔کسی قسم کی ہلچل تھی اور نہ ہی کوئی شور۔ہوتا بھی کیسے تمام جانوروں نے ہریالی جنگل چھوڑ کر جانے کا فیصلہ جو کرلیا تھا۔

''زینو زیبرے! کہاں جاؤ گے تم؟'' سنہری چڑیا نے افسردہ لہجے میں پوچھا۔

''یہی پاس کے جنگل میں میرے کچھ دوست رہتے ہیں ان کے پاس'' زینو کے لہجے میں بھی افسردگی تھی۔

''ہمیں اس طرح اپنے ہی گھر سے نکلنے پر مجبور کر دیا ان لوگوں نے۔'' کوئل نے نم لہجے میں کہا۔'' بھلا کون اپنے گھر کو چھوڑنا چاہتا ہے مگر یہ انسان کاش یہ ہمارے احساسات اور جذبات بھی سمجھیں جیسے ان کا گھر ہوتا ہے ویسے ہمارا بھی یہ گھر ہے۔''

''پریشان نہ ہو کوئل! اللہ پاک مدد کرنے والا ہے۔'' سنہری چڑیا نے تسلی دیتے کہا۔

❁❁❁❁

کچھ دن پہلے کسی کاروباری شخص کی نظر اس بھرے پورے ہریالی جنگل پر پڑ گئی جس کے تناور درخت دیکھ اُس کی آنکھیں گویا چمک اٹھی تھی۔اپنے بزنس کو چار چاند لگانے کے لیے درخت کی کٹائی شروع ہوگئی اور دیکھتے دیکھتے جنگل بنجر ہونے لگا۔حد تو تب پار ہوئی جب جانوروں نے اپنے جنگل کو بچانے کی کوشش کی تو ان کا شکار ہونے لگا۔

❁❁❁❁

''سنہری چڑیا! تم کہاں جاؤ گی تمہارا تو کوئی رشتہ دار بھی یہاں قریبی جنگل میں نہیں ہے؟'' بندر بابو کے پوچھنے پر اس نے گہری سانس لی۔

''ہاں! مگر لالی صحرا کے بعد جو شمالی جنگل ہے وہاں میرے کچھ رشتے دار ہیں اپنے بچوں کے ساتھ وہاں کے لیے کل صبح روانہ ہو جاؤں گی۔''

''کیا! لالی صحرا؟ تم جانتی ہو وہ کتنی دور ہے دو دن لگ جائیں گے لالی صحرا پہنچنے میں پیاس کی شدت اور بھوک کے ساتھ اتنا لمبا سفر اور پھر بیچ میں شہر بھی پڑتا ہے۔جانتی ہو ناں وہاں سے گزرنا کتنا خطرناک ہوسکتا ہے کسی نے قید کرلیا تو؟'' کنگارو نے پریشانی سے کہا۔

''ہاں سنہری چڑیا! تم اتنی لمبی مسافر طے کیسے

کروگی؟''مگر مجھ بھی فکرمند ہوا۔

''اللہ مالک ہے آپ سب پریشان نہ ہوں اب کہیں تو جانا ہی ہے ناں اور پھر شہر سے کیا لینا مجھے،انسان تھوڑی نا اڑ کر مجھے پکڑ لیں گے''انہوں نے ہنس کر کہا مگر اندر سے وہ بھی فکرمند تھیں۔

❁❁❁❁

صبح سنہری چڑیا اپنے دونوں ننھے بچوں کے سنگ تمام جانوروں کو خدا حافظ کہتی اپنی منزل کی جانب چل پڑی۔انہیں کئی میل کا فاصلہ طے کرنا تھا۔جبکہ ابھی سفر شروع ہوا تھا۔وہ اپنے بچوں کو ہمت دیتے پرواز کر رہی تھی۔

''ماں! مجھ سے اب اڑا نہیں جا رہا ہے اور بھوک بھی لگ رہی ہے''چھوٹی چڑیا نے تھکاوٹ سے چور لہجے میں کہا۔

''ٹھیک ہے ایک کام کرتے ہیں کہیں کچھ وقت کے لیے رک جاتے ہیں ایک مناسب جگہ دیکھ کر وہاں ستالیں گے،میں تب تک کچھ کھانے کے لیے بھی ڈھونڈ لوں گی''سنہری چڑیا کہتے اپنے اردگرد کوئی مناسب جگہ دیکھنے لگی جب اُسے سڑک کے بیچ و بیچ ایک گھنا درخت نظر آیا۔ سنہری چڑیا پرسکون تھی کہ وہاں بچوں کو کوئی خطرہ نہیں ہوگا۔وہ اپنے بچوں کو وہاں چھوڑ کر کھانے کی تلاش میں نکل گئی۔

کچھ ہی دور گئی تھی کہ اُسے ایک درخت سے دو مٹی کے پیالے لٹکے نظر آئے سنہری چڑیا نے سکون کا سانس لیا اور اُس درخت کے جانب بڑھ گئی۔

وہ کھانا لے کر واپس لوٹ رہی تھی جب اس کی نظر درخت پر پڑی۔

سنہری چڑیا کی ننھی چونچ سے دانہ زمین پر گر گیا وہ خود بھی چکرا کر گری۔سامنے کا منظر بہت برا تھا جس درخت پر اُس نے اپنے بچوں کو چھوڑا تھا وہ درخت سڑک پر کٹا گرا تھا۔چڑیا بی مسلسل اپنے بچوں کو پکار رہی تھی۔مگر وہاں کوئی نہیں تھا۔

کچی سڑک کو پکا کیا جا رہا تھا اور وہاں موجود درخت کو ہٹا دیا گیا تھا تھکن کے باعث سنہری چڑیا اور بچے یہ دیکھ نہیں سکے تھے کہ وہاں کام چل رہا ہے۔بچے تھکن کی وجہ سے سو گئے تھے مگر اُسی وقت درخت کو کاٹا گیا اس سے پہلے دونوں بچے جاگتے یا کچھ سمجھتے درخت زمین بوس ہوگیا دونوں بچے ایک مضبوط ٹہنی کے نیچے دب گئے مسلسل مسافت اور بھوک کی وجہ سے وہ اتنے نڈھال تھے کہ خود کو بچا بھی نہ سکے۔

سنہری چڑیا تڑپ رہی تھی اس سے گھر بھی چھن گیا تھا اور بچے بھی۔

چڑیا روتے ہوئے سوچ رہی تھی جس طرح انسان اپنے گھر کے لیے بے چین ہوتا ہے بچوں کے لیے تڑپتا ہے ویسے ہی جانور و چرند پرند بھی محسوس کرتے ہیں۔

کاش!انسان سمجھ جائیں!

❁❁❁❁

بقیہ: راہ وفا کا مسافر

ذوالفقار نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ اس نے سلام کیا جسکا جواب اس نے آہستگی سے دیا۔ پھر اس نے اپنی جیب سے ایک خط نکالا اور ذوالفقار کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''کمانڈر عضب احمد خان نے اپنی شہادت سے قبل آپ کے نام یہ خط لکھا تھا کہ ہم اسے آپ تک پہنچا دیں۔''

ذوالفقار نے جلدی سے اسکے ہاتھ سے خط لیا۔ اپنی آنکھیں آستین سے رگڑ کر صاف کیں اور خط کھول کر پڑھنے لگا۔

''جانِ عزیز برادرم! جب تک یہ خط تم تک پہنچے گا شاید تب تک میں اس دنیا میں ناں رہوں، کہنا یہ تھا کہ ہماری آخری ملاقات کچھ اچھی نہیں رہی تھی میں نے تمہیں بہت کچھ کہا مگر میرا ارادہ تمہیں تکلیف دینے اور دکھ پہنچانے کا ناں تھا۔ میں تو بس تمہیں سمجھانا چاہتا تھا۔

جانِ عزیز برادر اگر میری کوئی بات بری لگی ہو تو معاف کر دینا کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ میرے مرنے کے بعد مجھ سے کوئی خفا نہ ہو اور تم تو پھر میرے دوست، میرے بھائی اور مرے راز دان سب کچھ تھے۔ ہمارا اس دنیا میں بہت اچھا وقت گزرا میں چاہتا تھا کہ آخرت میں بھی جنت میں بھی ہم اکھٹے ہوں۔ مگر شاید تم میری بات نہیں سمجھ سکے۔ تمہیں یاد ہے ہم اکٹھے مدرسے جاتے تھے مدرسے سے واپسی پر ہم چاچا بشیر کے گنے کے کھتیوں سے دو گنے توڑتے تھے۔ چاچا بشیر جب اپنے مویشوں کے لیے گھاس کاٹتا تھا تو ہم اس کی سائیکل پر بیٹھ کر پگڈنڈی پر سائیکل چلانے کی مشق کرتے تھے اور پھر چاچا بشیر کی خوب ڈانٹ سن کر بھی ہم ہنستے تھے چاچا بشیر بھی ہنس کر کہتے ہیں تم لوگ نہیں سدھرو گے اور سزا کے طور پر وہ ہم سے اپنے مویشوں کے لئے گھاس کٹواتے تھے۔'' ذوالفقار روتے روتے اچانک ہنسا تھا۔ پاس کھڑا ساتھی دکھ سے اسے دیکھنے لگا۔

''ایسی اور کئی شرارتیں جو ہم نے مل کر کیں کس کس کو یاد کروں اس علاقے میں ہمارے بچپن کی کھٹی میٹھی یادیں وابستہ ہیں ہم کیسے اپنا علاقہ دشمن کے حوالے کر سکتے ہیں۔ بہت دکھ ہوتا ہے یار ہمیں اپنے ہی علاقے سے دربدر کر دیا گیا اور ہم خاموش ہو کر بیٹھ جائیں یہ کیسے ممکن تھا اسی لئے میں چاہتا تھا مگر شاید یہ ممکن نہ تھا۔ میں تو راہ وفا کا مسافر ہوں اب میری منزل کبھی بھی کس بھی وقت آسکتی ہے آج یا پھر کل مجھے معاف کر دینا۔ اور چاچا بشیر سے بھی میری طرف سے معافی مانگنا ان سے کہنا کہ ہم عنقریب اپنا علاقہ اور اپنا ملک دشمن سے لے لینگے۔ غم ناں کریں اللہ ہمارے ساتھ ہے، اگر کوئی غلطی پھر بھول چوک ہوگئی ہو تو اپنے اس نادان بھائی اور دوست کو معاف کر دینا۔

تمہارا خیر خواہ تمہارا دوست اور بھائی محمد عضب احمد خان۔''

خط پڑھتے ہی وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑا ساتھی اسے حوصلہ دینے لگا اتنے ناراض تھے کہ اپنے بچپن کے دوست کو اکیلا چھوڑ کر خود ہی جنت پا گئے، میں ادھرا کیلا کیا کرونگا۔ وہ زاروقطار رونے لگا۔ پھر وہ اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے ایک عزم کیساتھ اٹھا۔

''ہاں! میں بھی اب راہ وفا کا مسافر ہوں۔ ہاں میں بھی شہید ہوجاؤنگا اپنے وطن کی آزادی کے لئے اپنے بھائیوں کیساتھ سینہ سپر ہوجاؤنگا اب میں حقیقی معنوں میں ذوالفقار بن کر دشمنوں پر ٹوٹ پڑونگا۔''

اگلے دن وہ حلف لے رہا تھا جب تک وہ اپنے علاقے اور ملک کو دشمنوں سے آزاد نہیں کروالیتا میں سکون سے نہیں بیٹھوں گا چاہے میری جان ہی کی کیوں نا چلی جائے پھر وہ اس لشکر میں شامل ہوگیا اس نے کئی کاروائیوں میں حصہ لیا کئی بار ناکامی ہوئی کئی ساتھی شہید بھی ہوئے اور کئی زخمی بھی ان میں ذوالفقار بھی تھا اسے بھی کئی گولیاں لگیں اور زخم آئے مگر اس نے ہار نہ مانی اور ڈٹا رہا۔ جب کبھی وہ ہمت ہارنے لگتے تو قرآن کی یہ آیت ان کے سامنے آجاتی

''اور سست نہ ہو اور غم نہ کھاؤ، اور غالب رہو گے اگر تم ایمان رکھتے ہو'' (ال عمران)

پھر وہ ایک نئے جوش اور ولولے کیساتھ حملہ آور ہوئے اور پھر اس بار آخر اللہ کی نصرت آگئی فیصلہ کن کاروائی ہوئی دشمن کے ان گنت فوجی مارے گئے پھر وہ پسپا ہو کر بھاگ نکلے۔ سلسلہ یہاں تک نہیں رکا بلکہ بڑھتا ہی گیا۔ کامیابی ان کے قدم چومتی گئی اور پھر وہ وقت آیا جب انکا ملک فتح ہوا جب وہ اپنے فتح کردہ علاقے میں داخل ہوئے تو سب رب کے حضور سجدہ ریز ہوگئے۔ ان میں کئی زخمی بھی تھے اور کئی نے اپنی ٹانگیں اور بازو بھی کھو دیئے تھے ان میں ذوالفقار بھی تھا اس نے کلاشنکوف زمین پر رکھی اور سجدے میں گر گیا ایک ساتھی نے اپنی پرسوز آواز میں قرآن کی اس آیت کی تلاوت کی:

''اور اللہ نے بدر میں عین اس وقت تمہاری مدد کی جب تم کمزور تھے پس تم اللہ سے ڈرو تا کہ تمہیں شکر ادا کرنے کی توفیق ہو'' (ال عمران)

ذوالفقار کیساتھ سب ساتھی پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے۔ ان کے آنسو خشک زمین کو سیراب کر رہے تھے۔ وہ زخموں سے چور تھے مگر ان کے دل اور ضمیر مطمئن اور خوش تھے۔ ذوالفقار نے اپنا وعدہ وفا کر دکھایا تھا۔ اب اس کا ضمیر اور روح دونوں مطمئن تھے۔ وہ کافی دیر سے مسجد میں پڑا تھا اس کے کپڑے خون آلود تھے۔ وہ زخموں سے چور تھا۔ ایک ساتھی نے آگے بڑھ کر اسکے کندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ ایک طرف لڑھک گیا مسجد میں ہی اس ''راہ وفا کے مسافر'' نے اپنی جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی تھی۔ سب ساتھی نم آنکھوں کیساتھ ''اناللہ وانا الیہ راجعون'' پڑھنے لگے۔

دیوانہ گزر گیا ہر منزل شوق سے
حیرت سے زمانہ اسے تکتا رہ گیا

بقیہ: قبلہ عالی جاہ

مختلف تاریخی مقامات کی سیر کرنے کے بعد وہ ایک جنگل کی سیر کو نکلے۔ سبھی اپنی مرضی سے اِدھر اُدھر گھوم پھر رہے تھے۔ خبیب نے ایک گلہری کو بھاگ کر درخت پہ چڑھتے ہوئے دیکھا تو فوراً پتھر اٹھا کر اُسے دے مارا۔ پتھر نشانے پر جا لگا۔ گلہری ہوا میں قلابازیاں کھاتی نیچے آ گری۔ اب اُنھیں ایک اور شرارت سوجھی۔

خبیب نے عامر، عرفان اور ساتھ ہی تین اور دوستوں کو ملا کر ایک چھوٹا سا گڑھا کھودا اور گلہری کو اُس میں دفنا دیا۔ سب نے مل کر مٹی اکٹھی کر کے اس پر ڈالی اور ایک بڑی سی قبر بنا دی۔ خبیب نے ایک مضبوط گتے پر اُس کا کتبہ لکھا۔ اُس پر درج ذیل الفاظ تحریر تھے:

"قبلہ عالی جاہ! سائیں گیلھڑ شریف" پھر سب دوست اِدھر اُدھر گھوم پھر کر بس کے قریب آ پہنچے۔ شام ہونے کو تھی، واپسی کا سفر شروع ہوا، سب خیریت سے گھر پہنچ گئے۔

وقت تھا گزرتا رہا، کالج کی تعلیم مکمل ہوئی تو تینوں دوستوں نے ایک ہی یونی ورسٹی میں داخلہ لیا۔ اب تینوں دوست پھر سے ایک ساتھ تھے۔ تین سال گزر چکے تھے۔ ان کے چار سالہ ڈگری پروگرام کا آخری سال چل رہا تھا۔ یونی ورسٹی کی طرف سے ایک تفریحی دورے کا منصوبہ بنایا گیا۔ تینوں دوستوں نے مل کر اپنا نام بھی تفریحی دورے پر جانے والے طلبہ کی فہرست میں درج کرا دیا۔ مختلف تاریخی مقامات اور قدرت کے شاہکار دیکھنے کے بعد اُن کا آخری سٹاپ وہی جنگل تھا۔ جس سے وہ تینوں دوست بے خبر تھے۔ جب یونی ورسٹی کی بس اُس جنگل کے قریب آ کر ٹھہری تو اُن کے ذہن میں خیال آیا کہ چار سال پہلے بھی ہم اس جنگل کی سیر کو آئے تھے۔

"یاد کر خبیب! گلہری کو بھی اِسی جنگل میں دفنایا تھا۔" عامر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

وہ بس سے اُترے اور جنگل میں داخل ہو گئے۔ چند قدم کے فاصلے پر اُنھوں نے دیکھا کہ کچھ مرد اور عورتیں دانتوں میں جوتے دبائے ہاتھ اور پاؤں کے بل چلتے چلے جا رہے ہیں۔ وہ حیران ہوئے کہ آخر یہ ماجرا کیا ہے؟ اُنھوں نے قریب جا کر اُن سے دریافت کیا کہ آپ لوگ اِس حالت میں کہاں جا رہے ہیں؟ تو اُنھوں نے جواب دیا کہ اِدھر جنگل میں ایک پہنچی ہوئی سرکار کا دربار ہے۔ اُن سے جو مراد مانگو پوری ہوتی ہے۔ وہ پاک ہستی "سائیں گیلھڑ شریف" کے نام سے مشہور ہے۔ ہم سب نے منت مانی تھی کہ سائیں کے دربار تک ایسے ہی جائیں گے اور ویسے بھی یہ ادب کا مقام ہے۔ اب وہ بھی اُن کے ساتھ چل پڑے۔

جب وہاں پہنچے تو دیکھا کہ قبر پر سرخ و سبز رنگ کی کافی چادریں چڑھی ہوئی تھیں۔ بہت سے لوگ وہاں پہلے سے ہی موجود تھے۔ جن میں مرد، عورتیں اور بچے بھی شامل تھے۔ خبیب نے وہاں پر موجود ایک عقیدت مند سے کہا: "اِدھر تو ہم نے ایک گلہری کو مار کر دفنا دیا تھا چار سال پہلے ساتھ ہی اس کے کتبے پر لکھ دیا تھا "قبلہ عالی جاہ! سائیں گیلھڑ شریف" خیر! اب وہ کتبہ تو نہیں رہا لیکن آپ کہتے ہیں کہ یہ پہنچی ہوئی سرکار ہیں" دراصل! گیلھڑ سرائیکی زبان میں گلہری کو کہتے ہیں۔ وہ عقیدت مند غصے سے لال پیلا ہوگیا۔

"بے شرم انسان! یہ الزام لگاتے ہوئے تجھے شرم نہیں آئی؟ شکل سے تو سب پڑھے لکھے لگ رہے ہو۔ کچھ ہوش کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم پر خدا کا قہر نازل ہو جائے۔ یہ تو خدا کی برگزیدہ ہستی ہیں۔ ہماری مرادیں یہاں آ کر پوری ہو جاتی ہیں" اُس نے خبیب کو جھڑکتے ہوئے کہا اور لوگ بھی اُس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ تمام زائرین نے اُنھیں خوب برا بھلا کہا۔

موقع کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے وہ چپ ہو گئے۔ ورنہ! سب کے کپڑے عقیدت مندوں کے ہاتھوں اُدھڑ جانے تھے۔ اُنھوں نے وہاں ٹھہر کر خوب تماشا دیکھا۔ چاروں اطراف درختوں پر کیل ٹھونکے ہوئے تھے۔ سرخ، سبز، نیلے، پیلے اور کالے رنگ کی پٹیاں درختوں کی ٹہنیوں پر بندھی ہوئی تھیں۔ قبر کے سرہانے چار پانچ دیے رکھے ہوئے تھے۔

کچھ دیر بعد ایک عورت دو خوبصورت لڑکے اپنے ساتھ لیے وہاں آ پہنچی۔ آتے ہی وہ قبر سے لپٹ کر زار و قطار رونے لگی اور شکریہ ادا کرنے لگی۔

"سائیں گیلھڑ شریف! میری چھوٹی بہن کو بھی بیٹا عطا کر، میرے گھر میں فاقے ہیں کچھ تو کرم کر، میری سہیلی ماہ نور نے بھی کہلا بھیجا ہے اُس کو بھی بیٹا عطا کر" پاس کھڑے لڑکے نے بیچ میں بولنا شروع کر دیا۔

"خالہ! آپ یہ کیا کہہ رہی ہیں؟ اولاد اور روزی تو اللہ پاک ہی دیتے ہیں میں نے کتاب میں پڑھ رکھا ہے" اُس عورت نے اُسے کھینچ کے تھپڑ رسید کیا اور کہا۔

"یہ ساتھ کھڑا میرا چاند سا بیٹا بھی اِنھوں نے ہی دیا تھا۔ آپ بڑے آئے مجھے سمجھانے والے! چپ رہو!"

یہ منظر دیکھ کر وہ حیران تھے۔ کافی وقت گزر چکا تھا، واپس ہوئے اور بس میں سوار ہو کر یونی ورسٹی آ پہنچے۔ دربار والے واقعے کو یاد کر کے سب ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو جاتے تھے۔ گپ شپ کی محفل میں خبیب اکثر اپنے دوستوں سے کہا کرتا تھا، اگر! آپ میں سے کسی کو کوئی بھی مسئلہ درپیش ہو یا پیروں میں پاس ہونا ہو تو تمھیں بھی قبلہ عالی جاہ! سائیں گیلھڑ شریف کے دربار پر حاضری دینی چاہیے۔ پھر سب کا ہنس ہنس کر برا حال ہو جاتا۔

بقیہ
حضرت سمیہ بن خباط رضی اللہ عنہا

ایک رات اس نے حضرت سمیہؓ سے بڑی واہیات باتیں کیں تو جواب میں حضرت سمیہ بن خباط رضی اللہ عنہا نے اسے بڑی سخت بات کہی، جس پر وہ آگ بگولہ ہوگیا۔

اور اپنا غصہ اس نے ایسے اتارا کہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کو نیزہ مار کر شہید کر دیا اور ان کی روح بارگاہ باری تعالیٰ میں راضی خوشی، توحید و رسالت کی گواہی دیتی حاضر ہوگئی۔

حضرت مجاہدؒ کہتے ہیں کہ اسلام کے اوائل میں پہلی شہید حضرت عمار کی والدہ حضرت سمیہ بن خباط رضی اللہ عنہا تھیں جنہیں ابو جہل نے نیزہ مار کر شہید کر دیا تھا۔

حضرت سمیہ بن خباط رضی اللہ عنہا کی شہادت سن سات نبوی میں ہجرت سے پہلے ہوئی جو 615ء کے مطابق ہے۔

علامہ ابن جوزیؒ نے بھی لکھا ہے کہ یہ اسلام کی پہلی شہید ہیں۔

ابن سمیہ رضی اللہ عنہما

سمیہ یہ ان صحابیہ کا نام گرامی ہے، ان کا مہکتا تذکرہ ان کی شہادت کے بعد اب تک زندہ ہے۔ نبی کریم ﷺ حضرت عمار کو "ابن سمیہ" سمیہ کا بیٹا کہہ کر پکارتے تھے اور یہ بات واضح ہے کہ اس تخاطب میں حضرت سمیہ جیسی صحابیہ کے نام کی تکریم مقصود تھی اور نبی کریم ﷺ کی زبان مبارک پر اکثر حضرت عمار کے لیے یہی نام جاری ہو جاتا تھا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب لوگوں میں اختلاف ہوگا تو سمیہ رضی اللہ عنہا کا بیٹا حق کے ساتھ ہوگا اور ایک دوسری جگہ بھی آپ ﷺ کی زبان مبارک سے ان کا یہی نام جاری ہونا منقول ہے۔

حضرت ابن مسعود ہی راوی ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے سنا کہ "ابن سمیہ کو کسی دو باتوں کو اختیار دیا جائے تو وہ ان میں سے آسان بات کو اختیار کرے گا۔"

ایک اور حدیث میں آپ ﷺ کی زبان مبارک سے یہی الفاظ منقول ہیں۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ آپ ﷺ نے مسجد نبوی کی تعمیر کے وقت انہیں مخاطب کر کے فرمایا کہ اے ابن سمیہ تجھے ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔

نبی کریم ﷺ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کا ذکر ان کی خوبیوں اور بھلائی کے ساتھ فرمایا کرتے۔ بدر کے دن بدر وہ دن ہے جب طیب، مطیب یعنی کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو ایک بشارت نبی کریم ﷺ نے عطا فرمائی اور جب ابو جہل مارا گیا تو حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کا ذکر آگیا تو یہاں

آپ ﷺ نے حضرت عمار کو مخاطب کر کے فرمایا:
آج اللہ تعالیٰ نے تمہاری والدہ کے قاتل کو ختم کر دیا۔

یہاں یہ بات لائق ذکر ہے کہ ہم اس دعا کی طرف اشارہ کرتے چلیں جو آپ ﷺ نے حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا اور ان کے گھرانے کے لیے اس وقت فرمائی تھی جب حضرت عمار نے آپ ﷺ کے سامنے اپنے والد اور والدہ پر قریش کی سختیوں اور ظلم کا شکوہ کیا فرمایا:

''ابو یقظان (حضرت عمار کی کنیت) صبر کرو! اے اللہ! آل یاسر میں سے کسی کو آگ کا عذاب نہ ہو۔''

حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کو جنت کی بشارت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:
بیشک اللہ تعالیٰ نے مومنین سے ان کی جان اور اموال کو جنت کے بدلے خرید لیا ہے کہ وہ اللہ کے راستے میں قتال کریں گے۔ (اللہ کے دشمنوں کو) قتل کریں گے اور خود بھی اللہ کی راہ میں مارے جائیں گے۔ یہ اللہ کا ان سے سچا وعدہ توریت، انجیل اور قرآن میں ہے اور جو اللہ سے کیا ہوا عہد پورا کرے گا تو خوشخبری سنو اس بیعت کی بابت جو تم نے کی اور یہ بڑی کامیابی ہے۔ (سورہ توبہ آیت نمبر 111)

حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کا شمار ایمان والی سچی اور اسلام کے ہراول دستہ کی خواتین میں ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے کیے گئے ایفا اور اس کی تصدیق پر سبقت کرنے اور بشارت عظمیٰ حاصل کرنے والی اور بہترین بشارت یعنی جنت کی بشارت پانے والی خواتین میں شمار ہوتا ہے اور ایک حدیث سے اس کا پتہ چلتا ہے۔

حضرت سالم بن ابی الجعد، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے آل یاسر صبر کرو بیشک تمہارا ٹھکانہ جنت ہے۔

امام نورالدین الہیثمی نے خاندان یاسری کے لیے اس بشارت کا قریب قریب انہی الفاظ میں تذکرہ کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا؟
''اے آل یاسر صبر کرو، کیونکہ تمہارا ٹھکانہ جنت ہے۔''

طبقات کبریٰ میں علامہ ابن سعدؒ نے حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا اور آل عمار کے لیے جنت کی بشارت کا ذکر کیا ہے اور روایت نقل کی ہے:

نبی اکرم ﷺ آل عمار کے پاس سے گزرے اور انہیں تکالیف دی جا رہی تھیں تو فرمایا: ''خوشخبری ہو آل عمار! بیشک تمہارا ٹھکانہ جنت ہے''

تو یہ انتہائی صبر کرنے والی صحابیہ حضرت سمیہ بن خباط رضی اللہ عنہا کا تذکرہ تھا۔ تاریخ نے انہیں محفوظ کر لیا ہے اور ان کی جدوجہد اور ثابت

قدمی کو یادگار بنالیا ہے۔

یہ اسلام کے ہراول دستہ کی خاتون ہیں۔ علامہ ابن عبدالبر نے ان کی ثابت قدمی اور ان کے صبر کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

''حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا وہ خاتون ہیں جنہیں اللہ کے راستہ میں تکالیف دی گئیں اور انہوں نے تکالیف پر صبر کیا اور یہ بافضلیت پاکباز اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیعت کرنے والی خواتین میں سے تھیں۔''

حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا سے اللہ تعالیٰ راضی ہو۔ یہ پہلی شہید اسلام خاتون اور اس پہلے شخص کی والدہ ہیں جس نے مسجد بنائی اور اس میں نماز پڑھی۔

خاندان یاسری سلام ہو۔ تمہارے صبر کے بدلے تم پر سلامتی ہو اور آخرت کا ٹھکانہ بہت اچھا ہے۔ ان کی سیرت کے آخر میں چلتے چلتے ہم اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے اپنی سماعت کو معطر کرتے ہیں:

''بیشک پرہیزگار لوگ باغوں اور نہروں میں بہترین مقام پر، طاقتور بادشاہ کے ہاں ہوں گے۔'' (سورۃ القمر آیت نمبر 55)

ضروری اعلان

برائے لکھاری حضرات

ایک گزارش لکھاری حضرات وخواتین سے یہ ہے کہ ادارہ کو گزشتہ 6 ماہ سے آپ کی تحریروں کے حوالے سے چند شکایات کا سامنا ہے۔

1. تحریریں واٹس ایپ پر نامکمل بھیجی جارہی ہیں۔ کمپوز حضرات آپ کی بھیجی گئی تحریریں کمپوز کرتے ہیں اور بعد میں معلوم ہوتا ہے کہ صفحہ نمبر فلاں غائب ہے۔ جس کی وجہ سے شدید کوفت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ برائے مہربانی واٹس ایپ پر تحریر بھیجتے وقت دو سے تین بار خود چیک کریں کہ آپ جو تحریر ہمیں بھیج رہے ہیں کیا اس کے صفحات مکمل ہیں۔
2. دوسری شکایت یہ کہ تحریروں کے صفحات پر صفحہ نمبر نہیں لگائے جارہے ہیں۔ جس کی وجہ سے ادارے کو مسلسل پریشانی کا سامنا ہے۔ برائے مہربانی صفحات نمبر ضرور لگائیں۔ آئندہ ایسی تحریریں شائع کرنے سے پیشگی معذرت جن پر صفحات نمبر درج نہیں ہوں گے۔
3. تیسری شکایت یہ کہ تحریر کی تصویر کا معیار بہت خراب ہوتا ہے یا تصویر بسا اوقات ہلی ہوئی اور دھندلی ہوتی ہے جس کی وجہ سے ہمارے یہاں اسے کمپوز کرنا اور پھر اس کی پروفنگ کرنا ایک جاں گداز لمحہ ہوتا ہے۔ آئندہ سے ایسی تحریروں کی اشاعت سے بھی پیشگی معذرت۔
4. قسط وار تحریریں بھیجتے وقت خیال رکھیں کہ کم از کم پہلی پانچ اقساط پر مبنی تحریریں اکٹھی بھیجیں۔ ایسا نہ کریں کہ پہلی قسط بھیج کر ادارے کو اسے محفوظ رکھنے کی تاکید کر دی جائے اور پھر اگلے پانچ ماہ بعد دوسری قسط بھیجی جائے۔ برائے مہربانی کوشش کریں کہ قسط وار کہانی مکمل بھیجیں اور پی ڈی ایف بنا کر بھیجیں اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو پھر تصویروں کی شکل میں پہلی پانچ اقساط اکٹھی بھیجیں۔

امید ہے آپ ان گزارشات کا خیال رکھیں گے۔ آپ کا تعاون ہمارے لئے بہت قیمتی ہے۔

ادارہ

وہ کون تھے؟؟

مجاہد بن محمد ارھابی

غزوہ حنین میں دشمنوں نے بری طرح سے ہزیمت اٹھائی اور پھر راہ فرار اختیار کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے تعاقب میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا اور پھر خود بھی لشکر لے کر پیش قدمی کی۔

دشمنان اسلام اپنے سپہ سالار مالک بن عوف کی قیادت میں طائف کے قلعہ میں داخل ہو گئے۔ مسلمانوں نے ان کا محاصرہ کرلیا۔

اس دوران ایک بار حضرت حنظلہ بن ربیع رضی اللہ عنہ دشمنوں سے بات چیت کے لیے سفیر بن کر قلعے کے پاس گئے مگر اچانک ہی دشمنوں نے دھوکا بازی سے کام لیا اور انھیں پکڑ کر قلعے کے اندر لے جانے لگے، ایسے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو پکارا:

''انھیں کون بچائے گا؟''

فوراً ہی ایک بلند قامت اور باوقار صحابی کھڑے ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے دوڑ کر قلعے کی طرف لپکے، دشمنوں نے تیر اور پتھر برسائے مگر وہ آگے بڑھتے رہے اور پھر انھوں نے حضرت حنظلہ کو چھڑایا اور انھیں بحفاظت واپس لے آئے۔

یہ بہادر صحابی کون تھے؟ آئیے! ان کے بارے میں جانتے ہیں۔

وہ قریش کے معزز خاندان بنو ہاشم سے تعلق رکھتے تھے۔ عمر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو تین برس بڑے تھے۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت دار بھی تھے۔ بچپن میں ایک بار گم ہو گئے تھے، تو ان کی والدہ نے منت مانی کہ جب یہ مل

جائیں گے تو میں خانہ کعبہ پہ نیا غلاف چڑھاؤں گی، چنانچہ ان کے مل جانے کے بعد انھوں نے اپنی منت پوری کی اور خانہ کعبہ کو قیمتی کپڑے کا غلاف پہنایا۔

وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام ہدایت کی طرف مائل تو تھے مگر اسلام دیر سے قبول کیا۔ انھوں نے غزوہ بدر کے موقع پر اسلام قبول کیا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں مکہ مکرمہ میں ہی رہنے کا حکم دیا تاکہ وہ کمزور مسلمانوں کی حفاظت کرتے رہیں، یہاں تک کہ آپ فتح مکہ سے کچھ عرصہ پہلے تک مکہ میں ہی مقیم رہے۔

چونکہ آپ نے سب سے آخر میں ہجرت کی اس لیے ان کا لقب خاتم المہاجرین ہے۔ فتح مکہ کے بعد ہر مہم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ رہے اور خوب داد شجاعت دی۔

ایک بار حضرت عمر فاروق کے دور حکومت میں قحط سالی چھا گئی۔ حضرت عمر فاروق نے ان سے دعا کرنے کی درخواست کی۔ انھوں نے جیسے ہی دعا کی، بادل چھا گئے اور بارش برس پڑی۔ انھوں نے 88 برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔

نوٹ: ان صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بتائیں اور معرفت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حاصل کریں۔

شمارہ ربیع الاول کا درست جواب:
حضرت سعد بن خیثمہ رضی اللہ عنہ

وہ کون تھے؟؟

شمارہ ربیع الاول ۱۴۴۴ ھجری کے انعام یافتہ

زنیرہ جبیں

درست جواب ارسال کرنے والے دیگر قارئین

دانیال حسن۔ عمار حسین۔ کفایت اللہ۔ محمد عمر چغتائی۔ عبدالمجید شاکر۔
بنت عبدالہادی۔ محمد عمر۔ کامران خلیل۔ بنت نور الٰہی۔ ہمشیرہ محمد حسن۔
عبدلمتین۔ کلیم اللہ پشینی۔ محمد ابوبکر۔ محمد الیاس۔

بقیہ:
مسافر کا خط

یہاں کی ماں کا کڑیل جواں بیٹا دن کے اجالے اور رات کے اندھیرے میں اٹھا لیا جاتا ہے اور پھر ایک عرصہ غائب رہنے کے بعد اچانک اطلاع ملتی ہے کہ وہ مل گیا ہے لیکن وہ، وہ نہیں بلکہ اس کی تشدد زدہ لاش ہوتی ہے روح سے خالی لاش، تب اس مظلوم ماں کے دل پر کیا گزرتی ہوگی؟

ماں! بس ایک لمحے کیلئے خود کو اس ماں کی جگہ اور مجھے اس بیٹے کی جگہ تصور کر، کیا تو نہیں چاہے گی کہ کوئی آئے اور ظالموں سے تجھے بدلہ لے کر دے؟

یہ تو ایک معمولی مثال ہے جبکہ یہاں اس سے کئی گنا بڑھ ظلم کی بھیانک داستانیں رقم ہوتی ہیں، ہاں ماں! جب کسی کے گھر سے اس کی جوان بیٹی ۔۔۔نہیں۔۔۔نہیں۔۔۔۔نہیں۔۔

میں یہ دل خراش اور اندوہناک تذکرہ نہیں کرسکتا، میں اس ظلم اور درندگی کا تذکرہ نہیں تصفیہ کرنے یہاں آیا ہوں، اس ظلم کا بدلہ لینے آیا ہوں۔ ماں! مجھے تیرے اس پاک دودھ کی قسم! جو تو نے مجھے پلایا ہے، مجھے جب بھی موقع ملا میں ان ظالموں کی کھوپڑیوں میں گولیاں ماروں گا اور ان کے سروں کے اتنے ٹکڑے کروں گا کہ جو شمار میں بھی نہ آئیں۔

ماں! میں تیرے دودھ کا حق ادا کر دوں گا۔ ان شاء اللہ

میں جب سے یہاں آیا ہوں مجھے کئی چھوٹی بڑی کاروائیوں میں حصہ لینے کا موقع ملا ہے اور میں نے کبھی بزدلی نہیں دکھائی، تو نے مجھے بہادری اور شجاعت کی جو کہانیاں سنائی ہیں۔

معوذ ومعاذ کی کہانی، طلحہ وزبیر کے قصے، براء بن مالک کی شجاعت سب مجھے یاد ہے اور میرے خواہش ہے کہ ہمیشہ موت پر مقدم رہوں، اس سے پہلے کہ وہ مجھے دبوچے میں اسے دبوچ لوں۔

بس ماں تو میری کامیابی کی دعا کر، میرے واپس آنے کی دعا نہ کرنا، میں واپس نہیں آنا چاہتا، تو بھی مجھے بھول جا، ماں ایک دن میں نے اپنے دوست روفی سے پوچھا:

''تو واپس کب آئے گا''

جانتی ہے اس نے کیا جواب دیا تھا، اس نے کہا تھا جب تک ہم ایک شاندار بنگلہ نہ بنوالیں میں واپس نہیں آؤں گا''

ماں تو بھی سن! جب تک میں ستر آدمیوں کو اپنے ساتھ جنت میں لے جانے کے لائق نہ ہوجاؤں میں واپس نہیں آؤں گا۔

تو بھی میرا انتظار نہ کر، میں بھی تجھے بھول جانا

چاہتا ہوں ،میں نے آج پہلی اور آخری بار تجھے مخاطب کیا ہے آج کے بعد میں تجھے مخاطب نہیں کروں گا۔

ہاں البتہ اپنی دعاؤں میں میرا حصہ بڑھا دے ،میری کامیابی کی دعا کرنا ،اور تو جانتی ہے کہ بڑی کامیابی ''الفوز العظیم'' کیا ہے؟

ہاں وہ یہی ہے کہ میں تیرے سکھائے ہوئے جرأت وشجاعت کا سبق دہراتا ہوا اللہ ورسول کے دشمنوں پر ٹوٹ پڑوں۔

اس حال میں کہ میری گن شعلے اگل رہی ہو ،خود مجھ پر چاروں طرف سے گولیاں برس رہی ہوں، میں بلا خوف وخطر موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر آگے بڑھتا رہوں اور پھر وہ ہوجائے جس کی خواہش ہے ،کئی سلگتی گولیاں میرا سینہ چھلنی کردیں، میرے سینے سے آر پار ہو جائیں اور میری زبان سے نکلے:

''فزت ورب الکعبہ''

''رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہوگیا''

ہاں ماں !یہی ہے وہ بڑی کامیابی ،جس کی دل میں شدید خواہش ہے۔

اچھا بس ماں! بے چین دل نے بہت سی بے ربط باتیں لکھوادیں ،آخری بات یہی کہنا چاہتا ہوں کہ میری پیاری ماں! دنیا میں میرا انتظار نہ کرنا ،بلکہ میں جنت میں تیرا منتظر رہوں گا ،اب وہیں ملاقات ہوگی ،ان شاء اللہ

والسلام

تیرا نالائق بیٹا

آخر میں اس نے اپنا نام لکھا ، اس دن کی تاریخ ڈالی اور ڈائری بند کردی۔

ایک بار پھر اس نے ایک طائرانہ نگاہ آس پاس کے ماحول پر ڈالی، اس کے کچھ ساتھی ستا رہے تھے اور کچھ مشغولِ عبادت تھے۔

بارش رک چکی تھی ،ہوا کی چیخ وچنگھاڑ ہلکی سرسراہٹوں میں بدل چکی تھی اور درختوں کے پتوں پر رہ جانے والا پانی اب ٹپ ٹپ کرتا ہوا زمین تک کا سفر طے کررہا تھا۔

پورے جنگل پر ایک گہری خاموشی طاری ہو چکی تھی اور ہر طرف سکون ہی سکون تھا۔ ویسا ہی سکون اسے اپنے دل میں بھی محسوس ہو رہا تھا، وہ تلاطم ،وہ طغیانی ،طوفان اور سیلاب ،سب کچھ ایک گہرے سکون اور اطمینان میں بدل چکا تھا۔

ایک طویل سانس لے کر وہ ڈائری بیگ میں رکھنے لگا ،اپنے لکھے ہوئے خط کے الفاظ ایک بار پھر اس کے دماغ میں گردش کرنے لگے تھے۔

دانش کدہ

جہاں امام العقلاء، شاہ نُبلاء بوجھ بجھکڑ آپ کی مشکلات کے جواب دیتے ہیں

محترم جناب بوجھ بجھکڑ صاحب!

آپ مجھے یہ بتادیں پلیز کہ اگر آپ دو قدم چلیں گے تو آپ کا بایاں پاؤں کتنی بار اٹھے گا؟؟

☆.....ایک بار بھی اٹھ سکتا ہے دو بار بھی اور اگر کوشش کروں تو ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ ایک بار بھی نہ اٹھے۔

❁❁❁❁

محترم جناب بوجھ بجھکڑ صاحب!

محترم مدیر صاحب کی تحریر پڑھی. بہت عرصے بعد ہمیں تو بہت پسند آئی آپ کو کیسی لگی ان کی تحریر؟؟؟

☆.....آپ نے جو تحریر پڑھی وہ کمپوز شدہ تھی اگر آپ مدیر صاحب کی تحریر پڑھتے تو یقیناً آپ کو پسند نہ آتی۔

❁❁❁❁

محترم جناب بوجھ بجھکڑ صاحب!

ایسے ملک کا نام بتادیں جس کے آخر میں ''ی'' کا اضافہ کرنے سے کھانے والی میٹھی چیز بنتی ہے؟؟

☆.....ایسا ہر ملک کے آخر میں کیا جا سکتا ہے مثلاً کہ آخر میں ی لگائیں اور لکھیں روسی مٹھائی، اس طرح امریکی مٹھائی، سعودی مٹھائی وغیرہ۔

لائبہ اختر عزیز.....باغ آزاد کشمیر

❁❁❁❁

محترم بوجھ بجھکڑ صاحب!

یہ گرمی جاتے جاتے پھر رک گئی۔ کوئی حل بتائیں کہ یہ چلی جائے؟

☆ گرمی رک گئی تو آپ چل پڑیں کسی ٹھنڈے علاقے کی طرف۔

(حسن احمد، کراچی)

محترم بوجھ بجھکڑ صاحب!
وہ کون سی چیز ہے جسے ہم آدھا کھا بھی لیں تب بھی پوری ہی رہتی ہے؟

☆ مدرسے کی دال

(ہمشیرہ محمد احمد، سکھر)

❁❁❁❁

محترم بوجھ بجھکڑ صاحب!
میں چائے کا بہت شوقین ہوں، دن میں آٹھ سے دس کپ تو معمولی بات ہے۔ کیا کروں کہ میری یہ عادت چھوٹ جائے۔

☆ آپ گھر میں کپ صرف ایک ہی رکھیں اس طرح آپ کی آٹھ دس کپ کی عادت چھوٹ جائے گی۔

(سالم خان، کراچی)

❁❁❁❁

جناب بوجھ بجھکڑ صاحب!
ہر طرف آڈیو لیکس کا شور ہے۔ کاش ہمیں بھی آپ کی آڈیو مل جائے۔

☆ کوئی فائدہ نہیں ہوگا صرف دانش مندی کی باتیں ہی ہونگی آپ کو ہرگز مزا نہیں آئے گا۔

(بنت قاری احمد، ٹوبہ ٹیک سنگھ)

❁❁❁❁

جناب بوجھ بجھکڑ!
وہ کون سی چیز ہے جسے ہم دن میں کئی مرتبہ اٹھاتے ہیں پھر رکھ بھی دیتے ہیں۔
بوجھیں تو جانیں!

☆ تکیے سے اپنا سر

(بنت نور الٰہی، کوٹ ادو)

❁❁❁❁

صفوں کو سیدھا نہ رکھنے پر وعید

سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا۔ آپ ﷺ فرما رہے تھے:

''تم ہر صورت اپنی صفوں کو برابر رکھو ورنہ اللہ تعالیٰ لازماً تمہارے رخ ایک دوسرے کی مخالف سمتوں میں کر دے۔''

(صحیح مسلم)

کامیاب انسان

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''وہ انسان کامیاب و بامراد ہو گیا جو مسلمان ہو گیا، اور اسے گزر بسر کے بقدر روزی ملی، اور اللہ تعالیٰ نے اسے جو دیا اس پر قناعت کی توفیق بخشی۔''

(المسلم)

آدھی ملاقات

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

امید ہے کہ مزاج گرامی بخیریت ہوگا۔

ربیع الاول کا شمارہ اپنی آب وتاب کے ساتھ رونق افروز ہوا ہم نے تمام مصروفیات کو مؤخر کر کے شمارے کو فوراً لے لیا۔

میری مراد مطالعے کی غرض سے لے کر بیٹھ گئے..... اور پڑھنا بھی شروع کر دیا بالآخر ختم کر کے ہی دم لیا اور تبصرہ اور تاثرات کے لئے قلم پکڑ کر میدانِ قرطاس کے اندر آچکے ہیں، ''میں شرمندہ ہوں'' بہن تسلیمہ موسیٰ صاحبہ نے جذبات سے بھرپور تحریر کے ساتھ جلوہ نمائی کی۔

محمد ادریس صاحب ''تربیت'' کا اچھا سبق لے کر آئے، محمد فیصل علی صاحب اپنے فطرتی انوکھے پن کے ساتھ حاضر ہوئے، ابو دجانہ صاحب کا تاریخی اور معلوماتی قلم خوب چلا، روبینہ عبدالقدیر صاحبہ بھی اچھا سبق لیکر آئیں، عمار حسین صاحب بھی محترم دانیال حسن صاحب کی جگہ کمال کے ساتھ فٹ آئے۔

قارئین کرام سے درخواست ہے کہ محترم کے لئے دعائے خیر اور عافیت کریں محترم بقضائے الہیٰ اور سرکار مسلمان بچے کی دنیا سے انتقال فرما گئے ہیں۔ محترم ابوشفاء سلسلہ رازِ سربستہ میں کاریں متعارف کراتے دکھائی دیئے۔

''کیا ہوں میں'' میں مصنفہ نے اہم سبق دیا۔ محمد مستقیم صاحب ''جیسے کو تیسا'' لکھ کر ایسا ہنسا گئے کہ ویسا ہم کبھی ہنسے نہ ہوں گے۔

امیر المجاہدین کا کالم جہاں رہنمائی سے لبریز تھا وہیں ادب کا شاہکار بھی۔ تمنا ہے کہ پروردگار

ہمیں بھی ایسا قلم کار بنا دے آمین۔ وہ پوچھنا یہ ہے کہ مضمون میں جن تقاریر کا تذکرہ ہوا وہ کہاں سے ملیں گی؟ نیز حضرت امیر المجاہدین کے بیانات کا مجموعہ بھی میموری کارڈ وغیرہ کی صورت میں دستیاب ہے؟

پانچ خفیہ دشمن'' انوکھی تحریر تھی، محمد اسامہ نیا نام ہے۔

تمام آرٹ اور ہمشیرہ بابر آفریدی شہید کی نظم خوب رہی، سب سے بڑا منتر بھی نرالی تحریر تھی، انعم صاحبہ کا روایتی تحریر سے ہٹ کر حاضر ہونا اچھا لگا۔ مسلمان بچے میں عطاء السلام کا اضافہ بھی بہت اچھا لگا۔ قاصد ترابی صاحب کا قلم بھی تجربہ کار ہو چکا ہے۔ آخر کو اب تو پرانے نکھاری ہو چکے ہیں۔

شہید غزوۃ الہند'' اچھی نظم تھی، اسکے شاعر کون ہیں؟؟ مزدور معاشرے کے عکاسی کرتی تحریر تھی۔ جینا اکرم صاحبہ اچھا سبق لیے حاضر ہوئیں۔ سلطان ٹیپو شہید کی قسط بھی شاندار رہی۔

نعمان کا باجا'' میں فاکہہ قمر صاحبہ نے اہم بات کی طرف متوجہ کیا، حاجیوں کا قافلہ'' تاریخی تصویر دیکھ کر اچھا لگا۔ ''پروفیسر'' نحل سعدی کی اچھی کاوش تھی'' وہ کون تھے؟ کا جواب ابھی ڈھونڈیں گے۔ ان شاء اللہ

والسلام

محمد شعیب (کہروڑ پکا)

☆.....☆.....☆

محترم و مکرم مدیر صاحب

السلام وعلیکم!

امید ہے کہ اللہ کے فضل و کرم سے مسلمان بچے کی تمام ٹیم خیر و عافیت سے ہوگی اور ہمارے لئے مزید جگمگا تا ہنستا مسکراتا رسالہ شائع کرنے میں مصروف عمل ہوگی۔

اللہ پاک سے دعا ہے کہ اس رسالہ کو مزید دن دگنی رات چگنی ترقی عطا فرمائے۔ آمین۔

الحمد للہ ماہ ربیع اول کا رسالہ ۴ ربیع الاول کو ملا دیکھ کر انتہائی خوشی ہوتی۔ انتظار کچھ زیادہ ہی شدت کا تھا کیونکہ اس بار ہم نے بھی قلم اٹھانے کی کوشش کی جو قبول کی گئی۔

اس عظیم رسالے سے دوستی تو میری بچپن سے ہی ہے اور الحمد للہ سے اب تک قائم ہے۔ لیکن ایک خاموش قاریہ ہوں۔

مجھے ''مسلمان بچے'' میں لکھنے کا شوق بہت ہے لیکن اپنی کمزوری کیوجہ سے کچھ نہیں لکھ پاتی اس لئے صرف آرٹ ہی بنا ڈالا۔

اس ماہ کے رسالے میں اپنا اور بھائی جان کا آرٹ دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی اور کافی حوصلہ افزائی بھی ہوئی کہ ہم بھی اس قابل ہیں، اسی خوشی و حوصلہ افزائی نے آج قلم اٹھانے پر بھی مجبور کر دیا۔ جزاکم اللہ خیرا۔

الحمد للہ مسلمان بچے ہماری زندگی کا ایک بہترین رہنما ہے اس کی جتنی تعریف کی جائے کم

ہے بس اللہ پاک سے دعا ہے کہ اس رسالے میں لکھنے والوں کو پڑھنے والوں اور اس کو شائع کرنے والے تمام مجاہدین کو اپنے حفظ وامان میں رکھے۔آمین۔

اور بھی بہت کچھ لکھنے کو دل چاہ رہا ہے لیکن ڈر ہے کہیں خط لمبا نہ ہو جائے اور پھر ردی کی ٹوکری کی غذا بنے۔

خط کو شائع کر کے شکریہ کا موقع دیجئے گا۔

ان شاء اللہ اب مسلسل حاضری ہوتی رہے گی ۔غلطی کوتاہی پر معافی کی طلبگار ہوں۔

(والسلام بنت چاچا غازی)

☆.....☆.....☆

السلام علیکم!!

امید ہے آپ سب خیریت سے ہوں گے اور مسلمان بچے کے اگلے شمارے کی تیاری میں مشغول ہوں گے۔اللہ تعالیٰ آپ کے کاموں میں برکت اور آپ کی محنت کو قبول فرمائیں۔آمین

ربیع الاول کا شمارہ بہت زبردست رہا۔ سرورق اور پھر اداریہ اور اس کے بعد حضرت امیر محترم کی تحریر موبائل خوش ہوں گے کیا ہی زبردست تحریر تھی۔

اللہ تعالیٰ ان کی مکمل حفاظت فرمائے۔آمین

سبھی کہانیاں بہت اچھی تھی مگر سب سے زیادہ روبینہ عبد القدیر، محمد فیصل علی اور انعم توصیف کی سب سے بڑا منتر سب سے اچھی کہانیاں لگیں۔ہر ماہ یہ ہمارے لئے ایسی زبردست کہانیاں تخلیق کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ انہیں اپنے شایان شان اجر عطاء فرمائیں۔

اس کے علاوہ گزارش تھی کہ کوئی خاص نمبر ضرور نکالیں۔ہمیں بہت انتظار ہے کہ بہت ہی اچھوتے موضوع پر مبنی کوئی خاص نمبر ہو۔

زبیر طیب بھائی سے خصوصی گزارش ہے کہ مدیر محترم نے اپنی قسم توڑ کر قلم اٹھا لیا ہے اور اب آپ بھی اپنی غیر حاضری کو ختم کر کے جلد ہمیں کسی اچھی اور زبردست تحریر سے محظوظ کریں۔ہم شدت سے منتظر ہیں۔

خط طویل نہ ہو جائے اس لئے اجازت چاہتی ہوں،کوئی بات غلط لگے تو معافی چاہتی ہوں۔

والسلام

زنیرہ جبیں،سیالکوٹ

☆.....☆.....☆

تحریروں کی دُنیا

اف یہ شاعریاں

پیارے بچو!

ہمیں بچپن سے شاعری کا بہت شوق تھا۔

پھر یہ شوق کافی عروج تک پہنچ گیا، پھر ایک دن ہمارا شوق، پورا ہو کر اختتام کو پہنچ گیا تھا۔

ہوا کچھ یوں کہ اس دن امی کا غصہ عروج پر تھا، اتفاق سے اس دن ہمارا شرارتی موڈ بھی زوروں پر تھا۔گھر میں گیس کا مسئلہ تھا جس کی وجہ سے امی لکڑی کے چولہے میں کھانا بنا رہی تھی، ہر طرف لکڑی پھیلی ہوئی تھی جس میں جگہ جگہ کیل وغیرہ ٹھکے ہوئے تھے اور میں چپل کے بغیر یہاں، وہاں بھاگ رہی تھی امی نے میری طرف دیکھا اور غصے سے کہا:

چپل پہن کر گھوموں کیوں چپل کے بغیر یہاں وہاں گھوم رہی ہو!

بس پھر کیا تھا ہمارے شرارتی دماغ جس طوفانی آئیڈیے کو ذہن میں لے کر گھومنے لگا پھر ہم نے جیسے تیسے کر کے ایک عدد شاعری بنا ڈالی۔

ہم نے امی کی طرف دیکھ کر شاعرانہ انداز میں کہنا شروع کیا:

”ہمیں تو چپل پہننے کی عادت نہیں ہے ”ماں جی“ ہم تو ننگے پیر ہی اپنے انداز میں چلتے ہیں“ بس اسی دن سے امی نے ہمیں ”اپنے انداز“ میں چلنے کا طریقہ سکھا دیا اور ہم نے بھی اسی دن سے اپنے دل کی گہرائیوں سے شاعریوں کے شوق کو دھکا مار کے نکال دیا۔

(ہمشیرہ محمد الیاس شہید)

ٹیکنالوجی

جہاز رن وے پر دوڑنے کے لیے تیار تھا۔ بس ایک مسافر کا انتظار کیا جا رہا تھا۔ چند لمحے بعد ایک ادھیڑ عمر عورت ہاتھ میں ایک چھوٹا سا بیگ تھامے آگے کی طرف بڑھ رہی تھی۔ جب اس کی ٹکٹ کو دیکھا گیا تو وہ اسی جہاز کا آخری مسافر تھی۔ اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے جہاز کی طرف لے جایا گیا۔ اس نے قریب جاتے ہی شور مچا دیا۔

"مجھے باہر نکالو! میں جہاز میں نہیں بیٹھوں گی۔ یہ جہاز کچھ دیر اُڑنے کے بعد گر کر تباہ ہو جائے گا۔" اُس نے مرنے کے خوف سے تھرتھراتے ہوئے کہا۔ اُسے اُسے بار بار سمجھایا گیا کہ ایسا ویسا کچھ نہیں ہوگا۔ مگر! وہ نہ مانی! بالآخر! اُسے اپنے حال پر چھوڑ دیا گیا۔

جہاز نے اُڑان بھری، چند سو کلو میٹر کا فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ کسی فنی خرابی کے باعث گر کر تباہ ہو گیا۔

بوڑھی عورت یاد آئی، ڈھونڈ لایا گیا، میڈیا والوں کا ہجوم تھا۔ اطراف میں کیمرے لگ چکے تھے۔ سبھی لوگ یہ جاننے کے لیے بے تاب تھے کہ اِس بوڑھی عورت کے پاس آخر کار ایسی کون سی ٹیکنالوجی ہے جس کی مدد سے اُنھوں نے قبل از وقت حادثے کا سراغ لگا لیا۔ بوڑھی اِدھر اُدھر دیکھنے کے بعد مسکرانے لگی اور کہا:

"میڈی اَکھ پھڑکدی پئی ہئی۔"

(میری آنکھ ہل رہی تھی)

تحریر: عطاء السلام سحر، ڈیرہ غازی خان

❁❁❁❁

لکڑی کا جالا

عبد اللہ آج وقت سے پہلے اپنے دادا عبد الہادی کے پاس سیرت کہانی سننے کے لیے جا بیٹھا۔ عبد الہادی صاحب نماز میں مشغول تھے۔ ہادی صاحب نے نماز سے فراغت کے بعد پوچھا: ہاں تو میرے بچے آج اتنی جلدی تشریف لے آئے، چلو آج تمہیں سیرت کہانی اس وقت ہی سنا دیتے ہیں۔ عبد اللہ نے خوش ہو کر ہامی بھری۔

ہادی صاحب: بتاؤ میرے بچے! کہاں تک پہنچی تھی ہماری سیرت کہانی؟

عبد اللہ: دادا جان! کل آپ نے بتایا تھا کہ ہمارے نبی ﷺ اللہ کے حکم سے ہجرت کے لیے نکلے۔ تمام امانتیں حضرت علیؓ کے سپرد کیں اور اپنی جگہ حضرت علیؓ کو سلا دیا تاکہ مشرکین مکہ کو خبر نہ ہو۔ اس رات مشرکین گھیرا تنگ کرنے والے تھے اور رسول اللہ ﷺ کے قتل کا منصوبہ بنا رہے تھے۔

ہادی صاحب: شاباش میرے بچے۔ ہادی صاحب نے سیرت کہانی کی کڑی ملانے کے لیے گزشتہ کہانی کا اعادہ کروایا۔

اس کے بعد ہادی صاحب اگلی کہانی سنانے لگے۔

محبت کرنے والے دونوں دوست غارِ ثور کی طرف روانہ ہوئے۔ مشرکین مکہ نے نبی اکرم ﷺ کی تلاش کے لیے لوگوں کو لگا دیا اور تلاش کرنے والے کے لیے انعام کا اعلان کیا۔ یوں بہت سے لوگ ان کی تلاش میں لگ گئے۔

ہادی صاحب خاموش ہوئے تو عبد اللہ نے کہا: دادا جان! آگے کی کہانی میں سناؤں گا۔

ہادی صاحب: ارے واہ میرے بچے ضرور! تو پھر آگے کی کہانی تم شروع کرو۔

عبداللہ: اس کے بعد دونوں دوست غارِ ثور میں جا پہنچے، تلاش کرنے والے لوگوں نے جبل ثور پر دو آدمیوں کے نشانات تلاش کر لیے اور وہ پہاڑ پر چڑھنے لگے، بالآخر اس غار تک پہنچ گئے، جس میں یہ دونوں حضرات موجود تھے۔ مگر وہ اسی مقام پر ٹھہر گئے، آگے نشانات نہیں تھے۔ اس کے آس پاس ہی انہیں تلاش کرنا شروع کیا۔ حضرت ابو بکر صدیق ؓ کا دل غم سے ڈوبا جا رہا تھا۔ انہیں اپنی فکر نہیں تھی بلکہ سرکار دو عالم ﷺ کی فکر تھی۔

رسول اللہ ﷺ نے انہیں تسلی دی اور کہا: غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

مکڑی نے رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کے لیے جالا بن دیا تھا، کبوتروں نے گھونسلہ بنا رکھا تھا۔

غار کے منہ پر مکڑی کا جالا دیکھا تو کافروں کا ایک رئیس کہنے لگا: "غار کے دھانے پر تو محمد کی پیدائش سے بھی پہلے مکڑی کے جالے لگے ہوئے ہیں اس لئے غار کے اندر کوئی نہیں ہو سکتا۔"

مکڑی کے اس جالا بننے پر اسے یہ اعزاز مل گیا کہ رسول اللہ ﷺ اس سے محبت کرنے لگے اور فرمایا: "مجھے مکڑی سے محبت ہے۔"

چناں چہ ایک چھوٹی سی مکڑی کے ذریعے اللہ نے اپنے محبوب کی حفاظت کی۔ ہمیں بھی مکڑی سے محبت کرنی چاہیئے اور اسے نقصان نہیں پہنچانا چاہیئے۔

اس کے بعد عبد اللہ خاموش ہو گیا پھر دوبارہ کہنے لگا: دادا جان! آج آپ سے پہلے ہی میں نے کہانی پڑھ لی تھی۔

ہادی صاحب یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور عبد اللہ کی سیرت کہانی میں بڑھتی دلچسپی دیکھ کر اسے سراہا اور اسے "سیرت کہانی" کتاب تحفے میں دے دی۔

سیدہ حفظہ احمد

❁❁❁❁

نصف ایماں ہے صفائی

دانیال باہر سے کھیل کر آیا تو اُس کے کپڑے بہت میلے کچیلے اور خراب تھے، وہ مٹی سے بھرا ہوا تھا۔

اُس کی امی نے اُسے نہانے کے لیے کہا تو وہ بولا: "نہیں، میں نہیں نہاؤں گا۔"

بڑی مشکل سے امی نے اُس کا منہ ہاتھ دھلوایا

دانیال صفائی کا بالکل خیال نہیں رکھتا تھا- ہر وقت مٹی میں کھیلتا رہتا- اُس کی امی اُسے سمجھا سمجھا کر تھک گئی تھی کہ اچھی صحت کے لیے صفائی بہت ضروری ہے، پر اُس کے ذہن میں کوئی بات نا بیٹھتی تھی۔ وہ ایک کان سے بات سُنتا اور دوسرے سے نکال دیتا۔

ایک روز دانیال اپنی امی کے ساتھ پھپھو کے گھر گیا- اُس کی پھپھو کے بچے علی اور اقراء آ کر اُس سے ملے۔ وہ اُن دونوں کے ساتھ جا کر کھیلنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد علی اور اقراء نے دانیال نے کہا: "دانیال! ہم تمہارے ساتھ نہیں کھیلیں گے۔ تم سے اتنی بدبو آرہی ہے"

یہ سُن کر دانیال امی اور پھپھو کے پاس واپس آ کر بیٹھ گیا اور رونے لگا۔

پھپھو نے دانیال سے پوچھا: "بیٹا! کیا بات ہے؟ کیوں رو رہے ہو؟"

"پھپھو! علی اور اقراء مجھے اپنے ساتھ نہیں کھلا رہے۔ وہ کہتے ہیں مجھ سے بدبو آرہی ہے۔"

"بیٹا! دیکھو ہم مسلمان ہیں۔ ہمارے پیارے نبیؐ نے فرمایا: "صفائی نصف ایمان ہے۔

ایک مسلمان کو ہر وقت صاف ستھرا رہنا چاہیئے۔ جب آپ ہر وقت گندے رہیں گے تو آپ کے جسم اور کپڑوں سے بدبو آئے گی اور کوئی بھی آپ کے ساتھ نہیں کھیلے گا کیونکہ گندے بچوں کو کوئی بھی پسند نہیں کرتا" پھپھو نے دانیال کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

دانیال نے کہا: "پھپھو! میں اب امی کی ہر بات مانوں گا- روزانہ نہاؤں گا اور صاف ستھرے کپڑے پہنوں گا- میں ابھی جا کر نہاتا ہوں-"

دانیال بہت اچھی طرح سے نہایا۔ اُس نے صاف ستھرے کپڑے پہنے اور بالوں میں کنگی کی۔ وہ بہت خوش نظر آرہا تھا۔ وہ اچھی طرح سے تیار ہو کر باہر آ گیا۔

پھپھو نے اُس کو دیکھ کر کہا: "دیکھا دانیال! اب تم صاف ستھرے ہو کر کتنے اچھے لگ رہے ہو۔ چلو جاؤ اب علی اور اقراء کے ساتھ جا کر کھیلو"

دانیال باہر گیا اور سب کے ساتھ جا کر ہنسی خوشی کھیلنے لگا۔

بینش احمد اٹک

❁❁❁❁

اللہ کا شکر

نسیم اور وسیم دونوں رشتے دار تھے۔ دنیا کے کاروبار میں مصروف رہ کر اللہ کا رزق سمیٹ رہے تھے۔ بزرگوں کی دعائیں اور سخت محنت رنگ لائی اور ان کے کاروبار چمک اٹھے۔ دونوں اکثر ملتے۔ کاروبار کی باریکیوں اور ترقی کی منزلیں طے کرنے کے لیے مختلف پہلوؤں پر بحث مباحثہ کرتے۔ ایک ڈگر پر چلتے چلتے وسیم کو

محسوس ہوا کہ نسیم کچھ بجھا بجھا سا رہنے لگا ہے۔

ایک دن وسیم نے گھر آتے ہوئے اس کے گھر جانے کی ٹھان لی۔ دونوں ڈرائنگ روم میں بیٹھے سنجیدگی سے بات کرنے لگے۔ وسیم نے بڑے ہی محبت کے انداز میں نسیم سے بجھے بجھے رہنے کی وجہ جاننا چاہی۔

پہلے تو نسیم ادھر ادھر کی بات کر کے ٹالنے کی کوشش کرنے لگا مگر گہرے دوست کے بے حد اصرار پر بولا:

''بھائی! ہمیں کاروبار کرتے کرتے چھے سال ہو چکے۔ چند ماہ سے محسوس کر رہا ہوں کہ جیسے ترقی رک سی گئی ہے۔ گاہکوں کی تعداد بھی کم ہو رہی ہے۔ لگتا ہے، کمائی سے برکت ہی اٹھ چکی۔ گھر میں سب ہی صوم وصلوۃ کے پابند ہیں مگر ایسے لگتا ہے جیسے برکت اٹھتی جا رہی ہے۔''

وسیم نے پوچھا نسیم بھائی! یہ بتاؤ اللہ کا کرم ہونے کے باوجود شکرانے کے چند نفل ادا کیے ہیں یا نہیں؟

نسیم فوراً بات کی تہ تک پہنچ گیا، بولا: ''واقعی اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے میں کوتاہی ہوئی ہے۔ اب ایسا کبھی نہ ہوگا۔

وسیم نے کہا بھئی نعمتوں کا شکر ادا کرنے سے ہی وہ پھلتی پھولتی ہیں۔ تب اللہ بندے کی ہر آسائش اور رزق کی حفاظت ہی نہیں کرتا بلکہ برکت بھی ڈالتا چلا جاتا ہے۔''

نسیم نے اسی دن نہ صرف خود شکرانے کے نفل پڑھے بلکہ غربا میں وسیع پیمانے پر سامان خورد ونوش بھی تقسیم کرایا۔ شکر کی برکت سے جلد ہی اس کا کاروبار پھر چل پڑا اور گاہک بھی پہلے کی طرح کثرت سے آنے لگے۔

تو پیارے بچو معلوم ہوا کہ شکر بہت بڑی دولت ہے۔ ہمیں اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہر چھوٹی سی چھوٹی نعمت کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ جو چھوٹی نعمت پر شکر گزار نہیں بنتا اسے بڑی نعمت ملنے پر بھی شکر کا موقع نہیں ملتا۔

تندرستی، چلنا پھرنا، صحیح بولنا، دیکھنا اور کانوں سے سننا، یہ سب شکر گزاری کے ہی دائرے میں آتے ہیں۔ ہم تو اللہ کا صرف آنکھوں جیسی نعمت عطا کرنے کا شکر ادا نہیں کر سکتے، بے شک تمام عمر سجدے میں پڑے اس کا شکر ادا کرنے کی کوشش کرتے رہیں۔ اللہ کی ہر نعمت بلکہ انسان کا سانس لینا اور پھر باہر نکالنا بھی اسی کی رضا اور توفیق ہے۔

اللہ کی شکر گزاری کرتے رہنا چاہیے تا کہ انسان اللہ کی ہر ہر نعمت پر شکر ادا کرنے کی عادت میں گم رہے اور کسی بھی لمحے غافل نہ ہو۔ شکر ادا کرنے کی عادت ڈالیے۔ ہر لمحہ ہر قدم اور ہر سانس کے ساتھ شکر ادا کرنے کی ازلی عادت بالآخر انسان کو اللہ کا شکر گزار بندہ بنا دیتی ہے۔

عبدالمجید شاکر

آرٹ گیلری

ربّنا
بریرا فناء الرحمٰن
پنو عاقل

یا شہادت
نصر من اللہ وفتح قریب
حیات محمد
شائقہ شہادت
اُخت المجاہدین

Help The Flood People
بہترا ثناء الرحمٰن
پندعاقل

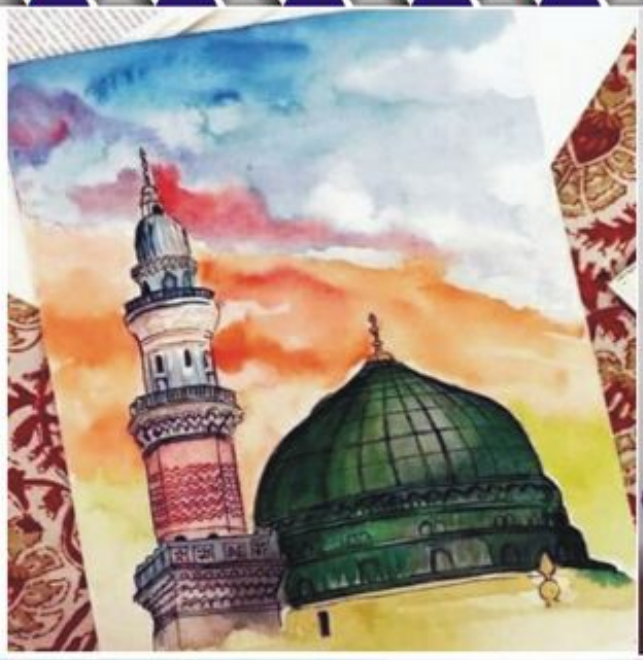

یا اللہ
عائشہ کشف

وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ

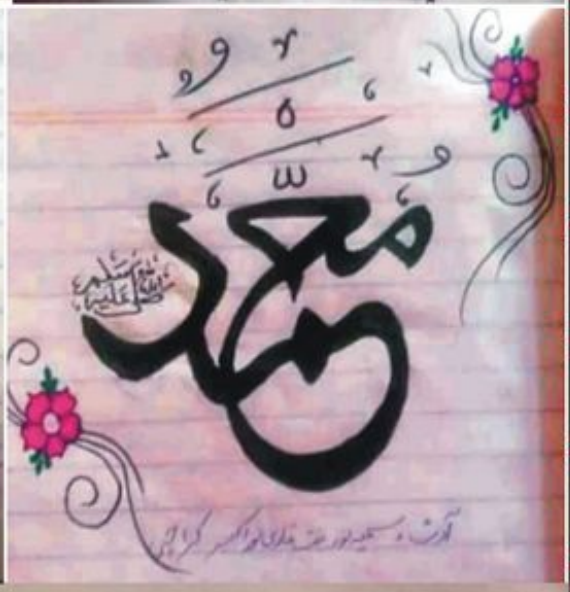
محمد
صلی اللہ علیہ وسلم

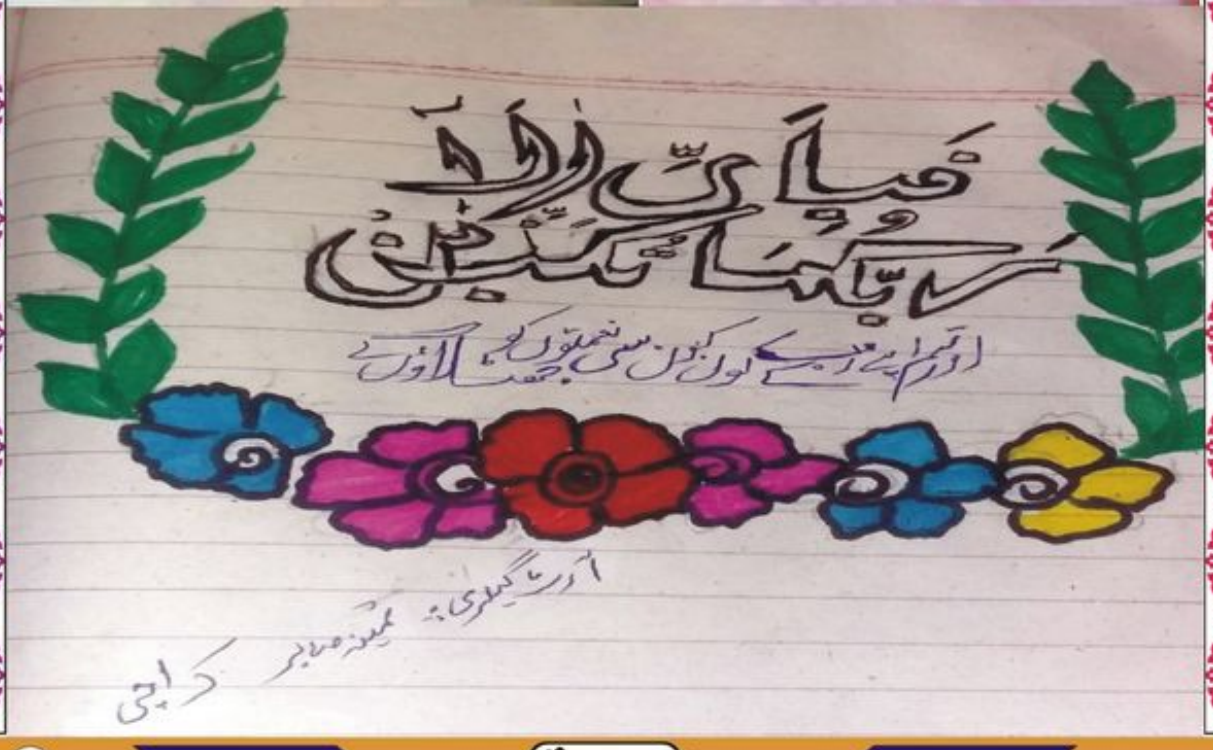
فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ
اور تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے

کلام: انور جمیل

کیا ایسا نہیں؟

اٹھا ہے کوئی بھی فتنہ تو دستِ انساں سے
نہیں ہے بحر و بر کوئی ، جہاں فساد نہیں

جفا وجور میں چین و سکوں، کیا معنی؟
یہاں تو بے گناہ بن کر بھی کوئی شاد نہیں

میں اپنا قصۂ غم بھی کہوں تو کس سے کہوں؟
کہ اب تو جان سے پیاروں پر اعتماد نہیں

مرے الفاظ کو سمجھیں میرے ہی لہجے میں
جو سمجھا آپ نے، واللہ میری مراد نہیں

خرد کی اور جنوں کی ہے ایک ہی منزل
ہے فرق راہوں میں ، اہداف میں تضاد نہیں

یہ کیا آسیب ہے ذہنوں پہ حکمت نو کا!
کہ ہم کو وعدۂ حق کا بھی اعتقاد نہیں

رکا ہے کارواں انورؔ، چلے تو کیسے چلے!
ستم تو یہ ہے کہ آپس کا اتحاد نہیں